دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ 2011ء • صفر المظفر تا ربیع الثانی 1432ھ • جلد نمبر 3 • شمارہ نمبر 1 • رجسٹرڈ نمبر S-370

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

جامع مسجد دہلی کی تاسیس اور سن ولی اللّٰہی

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے سلطان محی الدین عالم گیرؒ کے زمانے میں دارالسلطنت دہلی اور اکبرآباد (آگرہ) میں جمع ہونے والے بڑے بڑے اکابرین سے علوم و معارف، اَخلاق اور حکمت کی تربیت حاصل کی۔ اور جب انھیں حضرت سید عظمت اللہ (اکبرآبادی) سے اجازت اور خلافت حاصل ہوئی تو 1084ھ (1674ء) میں وہ ایک ایسی حیثیت کے رہنما اور امام بن گئے، جن کی مکمل پیروی اور اتباع کی جاتی تھی۔.....

امام ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

''سلطان شاہجہاں نے سن (10/ شوال) 1060ھ (06/ اکتوبر 1650ء) میں دہلی شہر میں جامع مسجد ''جہاں نما'' کی بنیاد رکھی۔ اور والد گرامی (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) کو یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔''

اسی لیے ہم نے ولی اللّٰہی سن کی ابتدا جامع مسجد دہلی کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے واقعے (1650ء) سے کی ہے۔ تاکہ اُس اہم اور مبارک واقعے کے موقع پر شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کی شرکت کو بطورِ تذکرہ یاد رکھا جائے۔ ہم نے ولی اللّٰہی سنوں کے مہینے شمسی حساب سے رکھے ہیں۔ جیسا کہ مسیحی مہینے ہوتے ہیں۔ چناں چہ یکم جنوری 1931ء، یکم جنوری 281 ولی اللّٰہی کے برابر ہے۔ تاکہ ہمارے سرور اجی (عوامی) پروگرام کے لیے سہولت پیدا ہو جائے۔

(دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل، ص16-14)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی

شعور و آگہی

لاہور

جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء / صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ | جلد نمبر ۰۳ شمارہ نمبر ۰۱ | رجسٹرڈ نمبر 370-S

زیرِ سرپرستی
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن
مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مشاورت

- مفتی عبدالمتین نعمانی — بورے والا
- مفتی عبدالقدیر — چشتیاں
- مفتی عبدالغنی قاسمی — لاہور
- مفتی محمد مختار حسن — نوشہرہ
- ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی — سکھر
- مولانا عبداللہ عابد سندھی — شکارپور
- مولانا محمد ناصر — جھنگ
- پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل — سعودی عرب
- پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کراچی
- پروفیسر حسین احمد علوی — چشتیاں
- پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین — بہاولپور
- پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر — اسلام آباد
- پروفیسر محمد سعید اختر — اسلام آباد
- پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر — لاہور

قیمت فی شمارہ: 100 روپے | سالانہ زرِ تعاون: 400 روپے

شعبہ مطبوعات

اِدارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

org.rahimia.www: web۳۶۳۶۹۰۸۹ / ۰۰۹۲-۴۲-۳۶۳۰۷۷۱۴ :PH

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے علی فرید پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

گلدستۂ مضامین

اداریہ:

حرفِ اول

03 مدیر اعلیٰ

تاریخی سلسلۂ اسناد

دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل

"سبیل الرشاد کالزیل علی الإنتباہ و الإرشاد"

("التمهيد" کے دوسرے حصے کا اردو ترجمہ)

تحریر و تصنیف: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ — ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد 05

تعارف کتب 55

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم تصنیف التفهيمات الإلهيه

تالیف و ترتیب کی نوعیت، قلمی نسخوں اور طباعتوں کا تعارف

تحریر: مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

تعارف مخطوطات 75

ایک اہم مخطوطے کا تعارف

شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تصنیف "رسالة فى التاريخ"

کا عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ

ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

آرا و تأثرات: گرامی نامہ 120

تصویر سرِورق: جامع مسجد دہلی (انڈیا)

تعارف مقالہ نگار

❁ **مفتی عبدالخالق آزاد**

ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

❁ **مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی**

مدیر سہ ماہی "احوال و آثار"، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (انڈیا)

www.rahimia.org

اداریہ

حرفِ اوّل

زندہ قومیں اپنے سماجی ارتقا کے تاریخی مراحل کا بھرپور ادراک رکھتی ہیں۔ اپنے سماج میں ابھرنے والے خیالات، نظریات و افکار، فلسفہ ہائے فکر و عمل کا تحلیل و تجزیہ کر کے بنیادی نظریے اور فلسفے کا تعین کرتی ہیں۔ ایسے ہی معاشرے کی سیاسی اور معاشی صورت گری کے اظہار پر مبنی نظامِ حکومت و معیشت کے ارتقا و تطور کا جائزہ لے کر ہونے والی سماجی تبدیلیوں کا بھرپور فہم و ادراک رکھتی ہیں۔ اس طرح اپنی سماجی تاریخ کے مجموعی مطالعے سے قوموں کا فلسفۂ تاریخ متعین ہو کر سامنے آ جاتا ہے، جو نئی سماجی تشکیل کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کا تعین ہر قوم کی سماجی زندگی اور اس کی تعمیر و تشکیل کا اساسی تقاضا ہوتا ہے۔ خاص طور پر زوال پذیر اقوام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی قومی خود مختاری برقرار رکھنے، سماجی اور تہذیبی شناخت باقی رکھنے اور سیاسی اور معاشی ساخت کو نئے خطوط پر قائم کرنے کے لیے اپنا قومی اور ملّی فلسفۂ تاریخ متعین کریں۔ اور دورِ حاضر کے دریافت شُدہ علوم و افکار کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ کرتے ہوئے سماجی تشکیلِ نو کے لیے جدوجہد و کاوش کریں۔ گویا کسی قوم کا فلسفۂ تاریخ اس کی سماجی ترقی اور ارتقا میں بڑا بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

برِعظیم پاک و ہند کی غلامی اور زوال نے عام طور پر اس خطے کے باسیوں کو نہ صرف قومی تاریخ سے بے گانہ کیا، بلکہ سماجی تشکیلِ نو کے حریت پسندانہ افکار و خیالات سے بھی محروم کیا۔ ایسے میں اس خطے کے حریت پسند رہنماؤں نے بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ نہ صرف غلامی کے خلاف آزادی و حریت کے لیے جدوجہد کی، بلکہ سماجی تشکیلِ نو کے بنیادی اور اساسی امور کی جانب بھی رہنمائی دی۔ بالخصوص امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ وہ اولوالعزم اور عظیم شخصیت ہیں، جنھوں نے برِعظیم پاک و ہند کو غلامی سے نکالنے اور آزادی و حریت کے حصول کے لیے نہ صرف انتہائی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں، بلکہ اس خطے کی نئی سماجی تشکیل کے اہم ترین مسائل پر بھی کھل کر بحث و گفتگو کی۔ اور یہ بات واضح کی کہ اس خطے کی نئی صورت گری میں اس کے قومی فلسفۂ تاریخ کو پیشِ نظر رکھا جانا ضروری ہے۔ اس دھرتی کی سماجی تشکیل کے تاریخی مراحل کا اِدراک اور اس دوران ہونے والے نظریاتی، فکری، سیاسی و معاشی تطورات اور تاریخی ادوار کا مطالعہ ضروری ہے۔ تا کہ قوم کے ذہنوں میں موجود تاریخی تصورات، قومی افکار اور مذہبی عقائد و فلسفوں کے بنیادی حقائق کا کما حقہ جائزہ لیا جائے۔ اور انسانیت دوست ترقی کن افکار و نظریات اور فلسفوں کو اپنی سماجی تشکیلِ نو کی بنیاد بنایا جائے۔

اس سلسلے میں مولانا سندھیؒ کا کہنا تھا کہ اسلام کی آمد سے قبل اس برصغیر پاک و ہند میں حکما و عقلا نے ویدک

دھرم کی اساس پر ایک سماجی نظام تشکیل دیا۔ جس نے تقریباً ایک ہزار سال تک نہ صرف ہندوستان، بلکہ دنیا کو علوم و افکار کے نئے پہلوؤں سے متعارف کرایا۔ پھر دنیا میں اسلام کی آمد کے بعد اس کی تابندہ روشنی سے ہندوستان متعارف ہوا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک اسلام کے توانا فکر و فلسفے اور اس کی سیاسی، سماجی اور معاشی تعلیمات نے اس خطے پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ اور اس حوالے سے اپنے نظام بنائے۔ ہندوستان میں اسلام کے ارتقا اور تطور کے تاریخی مراحل اور ادوار کا مطالعہ سماجی تشکیل کے حوالے سے نہایت ضروری ہے۔ خاص طور پر اس خطے میں اسلام نے اپنے دورِ حکومت میں کیا اثرات و نتائج پیدا کیے، معروضی تناظر میں اس کا فلسفہ و فکر متعین کیا جانا چاہیے۔

مولانا سندھیؒ کا خیال تھا کہ تاریخی ادوار کے تعین اور ان میں پیدا ہونے والے تغیرات و تبدلات کے حوالے سے تجدیدی پہلوؤں پر تفصیلی کام کیا جائے۔ ابتدائی طور پر انھوں نے اپنے اس کام کے بنیادی نکات اور تمہیدی امور کے لیے ایک کتاب ''التمهيد'' لکھی۔ جس میں ہندوستان میں اسلام کی آمد سے لے کر 1922ء تک کے تاریخی مراحل کا تعین کیا اور ہر مرحلے کے تاریخی ادوار کی نشان دہی کی۔ اس دور میں علمی و فکری اور عملی حوالے سے تجدیدی کردار ادا کرنے والے رہنماؤں اور ان کے کام کا مختصر تعارف کرایا۔ اور ان تمام مراحل اور ادوار کی تاریخی ترتیب کے بنیادی نکات و اشارات متعین کیے۔ گو یہ کام ابھی ابتدائی نوعیت کا ہی ہوسکا، لیکن برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کے حوالے سے کام کرنے والوں کے لیے اساسی نکات کا حامل ہے۔ اس شمارے میں ہم نے اس کتاب کے تاریخی تسلسل سے متعلقہ حصے ''سبيل الرَّشاد'' کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ تاکہ اس خطے کا فلسفہ تاریخ متعین کرنے کے حوالے سے مولانا سندھیؒ کے اس عظیم منصوبے کے بنیادی خدوخال واضح ہوجائیں اور نئے خطوط پر سوچنے والوں کے سامنے تاریخی شعور کے نئے دریچے کھلیں۔ اور وہ نئی سماجی تشکیل کے لیے انھیں اپنے پیشِ نظر رکھیں۔

تاریخ کی مناسبت سے ہی عالمی تاریخی تقویم پر مشتمل حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزندِ ارجمند حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے ایک رسالے کا اصل عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کا تحقیقی متن ایک قلمی مخطوطے کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کیا گیا۔ یہ رسالہ اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں شاہ صاحبؒ نے بعض تاریخی مغالطے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ تاریخی سنین کے تعین کرنے میں درست رائے قائم کی ہے۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے چند رسائل پر مشتمل ایک اہم مخطوطے کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

اس شمارے میں ایک مقالہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم کتاب ''التفهيمات الإلٰهيه'' کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے تعارف اور ان کے قرارِ واقعی حیثیت کے حوالے سے ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اس کے دستیاب قلمی و مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اور مطبوعہ نسخوں میں ناشرین کی جانب سے ہونے والے تغیرات و تبدلات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ مقالہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں کے تعارف کے حوالے سے تحقیقی نوعیت کا حامل ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس شمارے کے مقالہ جات بھی بڑی دل چسپی سے پڑھیں گے۔ آخر میں آرا و تأثرات کے حوالے سے ایک گرامی نامہ پیشِ خدمت ہے۔ ہمیں آپ کی آرا کا بھی انتظار رہے گا۔ (مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

تاریخی سلسلۂ اسناد

برصغیر میں دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل

''سبیل الرّشاد کالزّیل علی االإنتباہ و الإرشاد''

(''التمھید'' کے دوسرے حصے کا اردو ترجمہ)

تحریر و تصنیف: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ
ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

www.rahimia.org

(1)

تعارف کتاب

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ایک عظیم الشان کتاب ''التّمھید لتعریف آئمّۃ التّجدید'' تحریر فرمائی ہے۔ جس میں برعظیم پاک و ہند کے آئمہ اور رہنماؤں کا تعارف کرایا ہے۔ یہ کتاب آپ نے مکۃ المکرّمہ میں لکھی تھی۔ جس میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ سے لے کر اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ تک اس دور کے مجددین کے سلسلۂ افکار و تعلیمات اور پھر ان کے سلسلۂ اسناد اور تاریخی تسلسل کا تعارف پیش فرمایا ہے۔ آپ کی یہ اہم ترین تصنیف چار حصوں پر مشتمل ہے:

(۱) پہلا حصہ ''مقامِ محمود'': اس حصے میں حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند کی چالیس اسانید بیان فرمائی ہیں۔ جس میں تین ابواب میں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ مشائخ اور رہنماؤں کی اسانید، ولی اللہی جماعت کے آئمہ کی اسانید اور ہزارۂ دوم کے مجددین کی اسانید بالترتیب بیان کی ہیں۔

(۲) دوسرا حصہ ''تحدیث العبد الضعیف بنعمۃ ربّہ اللطیف'' کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح لکھی ہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور ہزارۂ دوم کے مجددین سے اپنے تعلق اور ان کے تجدیدی اَفکار کی وضاحت بیان کی ہے۔

(۳) تیسرا حصہ ''سبیل الرشاد'' کے نام سے ہے۔ جو بقول مولانا سندھیؒ؛ شاہ ولی اللہؒ کی دو کتابوں ''الإنتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ'' اور ''الإرشاد إلیٰ مھمّات علی الأسناد'' کے ذیل کے

طور پر لکھا گیا ہے۔ جس میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر آئمہ مجتہدینِ مطلق اور خلفائے راشدین تک تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف اور فلسفے کے سلسلۂ اسناد کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۴) چوتھا حصہ ''مواقف المسترشدين'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں ہزارۂ دوم کے مجددین، خاص طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس تجدیدی کام کا تعارف کرایا ہے، جو انھوں نے حدیث، فقہ اور فن تطبیق الآراء کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ حصہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ تک علمائے ربانیین کے علوم و اَفکار کے تجدیدی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے۔ یوں اس سلسلے سے ان حضرات کا تجدیدی مؤقف بڑی جامعیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

کتاب کی اہمیت

اس کتاب کی ہمیشہ سے علمائے کرام کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رہی ہے، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے 1955ء میں خاص طور پر دارالعلوم کے کتب خانے کے لیے اس کے قلمی نسخے کی نقل تیار کرائی تھی، اس موقع پر آپ نے تحریر فرمایا:

''التّمهيد لتعريف آئمّة التّجديد'' یہ کتاب ایک تاریخی اور علمی و سیاسی مرقع ہے، جو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکارِ صالحہ کا ثمرہ ہے۔ اس کے جلد سے جلد طبع اور شائع ہونے کی ضرورت ہے۔ احقر نے بھی اس کی ایک نقل کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے لیے کرائی ہے۔ محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، وارِدِ حال کراچی، 5 نومبر 1955ء۔'' (1)

اسی طرح مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ''نزہۃ الخواطر'' میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس تذکرے میں اس کتاب کی اہمیت اور مولانا سندھیؒ کے فکر اور نظریے کی وسعت بیان کرتے ہوئے مولانا ندویؒ لکھتے ہیں:

''ومن أحسن ما كتب ''التمهيد فی ائمة التجديد'' بالعربية، الّفهٗ بمكّة، و مقالة عن الشّيخ ولی الله الدهلویؒ، فی العدد الخاص بذالک لمجلة ''الفرقان'' الشهريه تدل علی سِعة نظره وعُمق فكرته.'' (2)

''مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تالیفات میں سب سے بہترین کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ''التمهيد فی آئمة التجديد'' ہے۔ جسے انھوں نے مکہ مکرمہ میں تالیف کیا تھا۔ اور شاہ ولی اللہؒ پر ایک مقالہ (شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف) جو ماہنامہ ''الفرقان'' کے خاص نمبر کے لیے لکھا تھا، یہ دونوں تالیفات

www.rahimia.org

مولانا سندھیؒ کے وسعتِ نظر اور فکری گہرائی پر دلالت کرتی ہیں''۔

''شعور و آگہی'' کے گزشتہ چار شماروں میں اس کتاب کے دوسرے حصے کا ترجمہ چار اقساط میں پیش کیا گیا تھا۔ مولانا سندھیؒ نے اپنی اس خودنوشت سوانح میں اپنے حالاتِ زندگی، اپنے فکر و عمل کی تشکیل اور اس کے تدریجی ارتقا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ شریعت میں ایک پختہ کار عالم ربانی، طریقت کے میدان کے شناور اور بہت سے مشائخ سے اجازت یافتہ ہیں۔ نیز سیاست میں ایک سچے اور مخلصانہ کردار ادا کرنے والے بے باک قائد، جرأت مند اور بہادر رہنما کے طور پر انقلابی کردار ادا کرنے والے اہم رہنما ہیں۔ یہ کتاب اُردو زبان میں لکھی ہوئی خودنوشت سوانح سے زیادہ جامعیت کی حامل اور ممتاز ہے۔

''سبیل الرشاد'' کی اہمیت

آئندہ صفحات میں اس کتاب کے تیسرے حصے ''سبیل الرّشاد'' کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اس حصے میں ہندوستان کی تاریخ کے بارہ ادوار متعین کرتے ہوئے دینی علوم و معارف اور ان کے سیاسی اثرات و نتائج کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کی ہے۔ خاص طور پر آئمہ مجددین کے تجدیدی کردار کے مختلف پہلوؤں اور ان کے سلسلۂ اسناد کے تاریخی تسلسل کی وضاحت کی ہے۔ اور علوم و معارف کے میدان میں جن علمائے ربانیین، محدثین، مفسرین اور بلند مرتبت سیاسی رہنماؤں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور تجدیدی کردار ادا کیا، اس کو پورے تسلسل اور تاریخی ترتیب کے ساتھ مولانا سندھیؒ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

''سبیل الرشاد'' کا اجمالی خاکہ

مولانا سندھیؒ نے اس کتاب ''سبیل الرشاد'' کی ترتیب کچھ اس طرح سے قائم کی ہے کہ:

سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے۔ جس میں کابل کی فتح 31ھ (652ء) سے لے کر 1340ھ/ 1922ء تک کے تیرہ سو سالہ دور کو پہلے تاریخی اطوار اور مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ایک تاریخی مرحلے کے ذیل میں ادوار کا تعین کیا ہے۔ یوں ہندوستان میں تاریخ اسلام کے کل پانچ اطوار (تاریخی مرحلے) متعین کیے ہیں۔ اور پھر ان کے ذیل میں تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال کے زمانے کے لیے بارہ ادوار کا تعین کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی تاریخ کے گہرے مطالعے سے تمام تاریخی نشیب و فراز کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی مراحل و اَدوار کا دورانیہ متعین کیا ہے۔ اس طرح خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ہندوستان کے ایک شہر ''کابل'' کی فتح 31ھ (651ء) سے لے کر 1340ھ (1922ء) تک کل

12 دور ہوئے۔

مقدمے کے بعد یہ کتاب آٹھ اَقسام پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ''قِسم'' کے ذیل میں ابواب ہیں۔ اور ہر ''باب'' کے ذیل میں انواع کا تذکرہ ہے۔ اور پھر ہر ''نوع'' کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اختصار کے ساتھ اس کتاب میں ولی اللّٰہی مشائخ کے تاریخی تسلسل اور ان کے سلسلۂ کی وضاحت کی ہے۔ اور فقہا، محدثین، مفسرین، صوفیا، علمائے ربانیین، فلاسفہ و حکما وغیرہ کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کا تسلسل بیان کیا گیا ہے۔ اور یوں یہ کتاب سینکڑوں علما و مشائخ اور مجتہدین کی سوانح کا مرقع ہے۔ اور ہندوستان میں اسلام کے غلبے کے تیرہ سو سال کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کرتی ہے۔

پہلی قسم میں پانچویں تاریخی مرحلے کے دسویں، گیارہویں، اور بارہویں دور یعنی 1118ھ (1707ء) تا 1340ھ (1922ء) میں ولی اللّٰہی مشائخ اور ان کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

دوسری قسم میں نویں دور (1036ھ تا 1118ھ) کے علما کا تذکرہ اور اسانید کا بیان ہے۔

تیسری قسم میں چھٹے، ساتویں اور آٹھویں دور (یعنی 790ھ تا 1036ھ) کے علما، فقہا و محققین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

چوتھی قسم میں پانچویں دور (542ھ تا 790ھ) کے علما، فقہا، حکما اور فلاسفہ کی اسانید بیان کی ہیں۔

پانچویں قسم میں چوتھے دور (412ھ تا 547ھ) کے رہنمایان، صوفیا کرام، فقہائے مجتہدین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

چھٹی قسم میں تیسرے دور (193ھ تا 412ھ) کے آئمہ مرشدین، فقہائے محققین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

ساتویں قسم میں دوسرے دور (92ھ تا 192ھ) کے آئمہ، داعیین انقلاب اور فقہا، آئمہ مجتہدین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

آٹھویں قسم میں دورِ اول کے خیر القرون تک آئمہ فقہا اور خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا سلسلۂ سند بیان کیا ہے۔

اس طرح ان آٹھ قسموں میں انواع، ابواب اور فصلوں کے ذریعے تیرہ سو سالوں کے فقہا، آئمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیا کے علوم و معارف کی اسانید کا بہترین تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ علومِ اسلامی کے تاریخی تسلسل سے آگہی رکھنے والوں کے لیے یہ حصہ یقیناً بصیرت افروز ہے۔ اس کے مطالعے سے دینی فکر و شعور کے تاریخی تسلسل سے آگہی حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ قارئین ''التمہید'' کے پہلے حصے کے ترجمے کی طرح اس تیسرے حصے کے ترجمے کو بھی بڑی دلچسپی اور توجہ سے پڑھیں گے۔

سبیل الرّشاد کالزّیل علی الإنتباہ و الإرشاد

(اردو ترجمہ: ''دینی رہنماؤں کا تاریخی تسلسل'')

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ. امّا بعد!

سب تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں۔ اور اس کے منتخب بندوں پر درود وسلام نازل ہو۔ أمّابعد!

اس کتاب کا نام ''سبیل الرشاد'' ہے۔ یہ کتاب حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کی دو کتابوں ''الإنتباہ (فی سلاسل أولیاء اللّٰہ)'' اور ''الإرشاد (إلی مہمّات علم الأسناد)'' کے تکملے اور ذیل کے طور پر لکھی گئی ہے۔ میں نے اس میں سب سے پہلے اپنے مشائخ کی اسانید کو حکیم الہند (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) تک یک جا جمع کر دیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اُن کے تذکرے میں چند فصلیں بھی لکھی ہیں۔

اس کے بعد میں نے اس کتاب میں حکیم الہند (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی ہندوستان میں حنفی فقہا اور حکما وغیرہ تک کی اسانید بھی جمع کی ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ جنھیں عقائد، اَخلاق اور عملی زندگی سے متعلق احکام وقوانین کے اَخذ واستنباط کی صلاحیت حاصل تھی۔ اِن میں اُن حضرات کا تذکرہ بھی ہے، جنھیں اس سلسلے میں اخذ واستنباط کا پورا ملکہ تھا۔ اور وہ کتاب، سنت اور اجماع سے براہِ راست اَخذ واستنباط پر مکمل قدرت رکھتے تھے۔ اور اُن حضرات کا تذکرہ بھی ہے، جو اگرچہ اس حوالے سے ناقص تھے، لیکن انھوں نے کامل مجتہدین کی بعض ایسی چیزوں پر اعتماد کا اظہار کیا، جو اُن کے خیال کے مطابق کامل تھیں۔ اور بعض چیزیں انھوں نے خود مستنبط کی ہیں۔

یہ کتاب چند أقسام، أبواب، أنواع اور فصلوں پر منقسم ہے۔ تاریخ اسلام کے حوالے سے ''خلافت ِاسلامیہ'' سے لے کر ''ہندوستانی حکومت'' کے قیام تک ہندوستان میں بہت سے انقلابات اور تغیرات پیدا ہوئے۔ ان تاریخی تبدیلیوں کے پانچ مراحل بنتے ہیں۔ ان کے ذیل میں سامنے آنے والے تاریخی ادوار کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کتاب مرتب اور مدوّن کی گئی ہے۔

www.rahimia.org

ہندوستان کی تاریخ کے پانچ مراحل

''خلافتِ عربیہ'' سے لے کر ''ہندوستانی ملتوں کے قیام'' تک تاریخ کے پانچ انقلابی اور تاریخی مراحل ہیں:

1۔ پہلا تاریخی مرحلہ:

ہندوستان کے کچھ علاقے کا ''خلافتِ عربیہ'' میں شامل ہونے کا عرصہ، ہندوستان میں اسلام کی آمد کے حوالے سے پہلا انقلابی تاریخی مرحلہ ہے۔

2۔ دوسرا تاریخی مرحلہ:

''خلافتِ عربیہ'' کے زمانے میں غیر عرب اقوام کی ہندوستان پر حکومت کا عرصہ دوسرا تاریخی مرحلہ ہے۔

3۔ تیسرا تاریخی مرحلہ:

''خلافتِ عربیہ'' کے زمانے میں ہندوستانی اقوام کی ہندوستان پر حکومت کا عرصہ تیسرا تاریخی مرحلہ ہے۔

4۔ چوتھا تاریخی مرحلہ:

ہندوستان میں مستقل ہندوستانی حکومت کا قیام چوتھا تاریخی مرحلہ ہے۔

5۔ پانچواں تاریخی مرحلہ:

(مرہٹوں، انگریزوں اور مسلمانوں پر مشتمل) ہندوستانی ملتوں کا قیام پانچواں تاریخی مرحلہ ہے۔

پہلا مرحلہ: خلافتِ اسلامیہ عربیہ میں ہندوستان کے کچھ حصے کی شمولیت

اس تاریخی مرحلے میں دو ادوار ہیں:

1۔ پہلا دور (ہندوستان میں اسلام کی آمد کا پہلا دور)

پہلے دور کا آغاز کابل کی فتح سے ہوتا ہے۔ اور یہ (اسلام کی آمد کے حوالے سے) ہندوستان کے شہروں میں سے پہلا شہر ہے۔ 31ھ (652ء) 35ھ (مئی 656ء) میں حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کا دور، ہندوستان میں تاریخ اسلام کا پہلا دور ہے۔ اس طرح ہندوستان میں ''خیرالقرون'' (بہترین زمانہ) کا عرصہ چار سال تک رہا۔

2۔ دوسرا دور (ہندوستان میں اسلام کی آمد کا دوسرا دور)

ولید ابن عبدالملک (اموی) کے زمانۂ خلافت میں امیر محمد بن قاسم ثقفیؒ سے شروع ہو کر قریش کے بارہ خلفا(3) میں سے آخری خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے آخری زمانۂ خلافت، یعنی 92ھ (711ء) سے 193ھ (809ء) تک کا زمانہ دوسرا دور ہے۔

www.rahimia.org

دوسرا مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ میں ہندوستان کے کچھ حصے پر غیر عربی اقوام کی حکومت

اس مرحلے میں تیسرا دور ہے:

3۔ تیسرا دور (غیر عربی اقوام کی ہندوستان پر حکومت کا دور)

مامون (الرشید عباسی) کے زمانے سے لے کر سلطان محمود غزنوی کی جدوجہدِ جہاد کے نتیجے میں لاہور میں حکومت قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی 193ھ (809ء) سے 412ھ (1021ء) تک تیسرا دور ہے۔

تیسرا مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ میں ہندوستانی اقوام کی ہندوستان پر حکومت

اس تاریخی مرحلے میں دو ادوار ہیں:

4۔ چوتھا دور (خلافت کے ماتحت ہندوستانی اقوام کی سلطنت کا دور)

سلطان محمود غزنوی کے زمانے (یعنی لاہور میں حکومت کے قیام) سے لے کر سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ غزنوی کے زمانے میں ''سلطنت'' (لاہور) کی بنیاد قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی 412ھ (1021ء) تا 547ھ (1152ء) چوتھا دور ہے۔

5۔ پانچواں دور (خلافت کے ماتحت سلطنت اسلامیہ کا دور)

لاہور میں سلطنت قائم ہونے سے لے کر سلطان فیروز شاہ (تغلق) دہلوی کے زمانے میں ''سلطنتِ اسلامیہ'' کی تکمیل تک یعنی 547ھ (1152ء) تا 790ھ (ستمبر 1388ء) پانچواں دور ہے۔

چوتھا مرحلہ؛ ہندوستان میں مستقل ہندوستانی سلطنت کا قیام

اس مرحلے میں چار ادوار ہیں:

6۔ چھٹا دور (خود مختار ہندوستانی سلطنت کے دور کا آغاز)

سلطان فیروز شاہ (تغلق) کی سلطنت میں فتنے اور انتشار کے آخری زمانے سے لے کر سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں ''وطنیت'' کی بنیاد پر حکومت قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی 790ھ (ستمبر 1388ء) تا 855ھ (نومبر 1451ء) چھٹا دور ہے۔

7۔ ساتواں دور (خود مختار وطنی سلطنت اور حکومت کا دور)

سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں ''وطنیت'' کی بنیاد پر حکومت قائم ہونے سے لے کر (مغل بادشاہ) سلطان جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں ''وطنی سلطنت'' کی تکمیل تک کا زمانہ، یعنی 855ھ (نومبر 1451ء) تا

987ھ (1579ء) ساتواں دور ہے۔

8۔ آٹھواں دور (ہندوستان کی وطنی سلطنت کا دورِ عروج)

سلطان جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں ''وطنیت'' کے انتہائی عروج سے لے کر سلطان نور الدین جہاں گیر کے آخری زمانے میں اُس کے اعتدال پر آنے تک کا زمانہ، یعنی 987ھ (1579ء) تا 1036ھ (1627ء) آٹھواں دور ہے۔

9۔ نوواں دور (قومی سلطنت میں دین اسلام کی تجدید و تکمیل کا دور)

صاحبقرانِ ثانی سلطان شہاب الدین شاہ جہاں کے زمانے میں دین اسلام کی تجدید اور سلطان محی الدین عالم گیر کے زمانے میں اُس تجدید کی تکمیل کا دور یعنی 1036ھ (1627ء) سے لے کر 1118ھ (1707ء) تک کا زمانہ نواں دور ہے۔ یہ دور ہندوستان میں اسلام کے ادوار میں سب سے بہترین اور مثالی دور ہے۔

پانچواں مرحلہ؛ صابیوں (مرہٹوں، انگریزوں) اور مسلمانوں پر مشتمل ہندوستانی ملتوں کا قیام

اس مرحلے میں تین دور ہیں:

10۔ دسواں دور (انگریزوں، مرہٹوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور)

سلطان محی الدین عالم گیر کے آخری زمانے سے لے کر سلطان عالم گیر ثانی کے آخری زمانے میں پانی پت کے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی ہندو مرہٹہ جماعت پر فتح تک کا زمانہ، یعنی 1118ھ (1707ء) تا 1174ھ (1761ء) دسواں دور ہے۔

11۔ گیارھواں دور (انگریزوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور)

پانی پت کی جنگ سے لے کر ہندوستانیوں کے انگریز سامراج کے ساتھ جنگ اور خاتم السلاطین سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے آخری زمانے میں انگریزوں کے ہندوستان کی سلطنت کے مرکز دہلی پر تسلط تک کا زمانہ، یعنی 1174ھ (1761ء) تا 1274ھ (1857ء) گیارھواں دور ہے۔

12۔ بارھواں دور (انگریز سامراج کی غلامی کا دور)

دہلی پر انگریزوں کی غلبے سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے تک کا زمانہ، یعنی 1274ھ (1857ء) تا 1340ھ (1922ء) بارھواں دور ہے۔

اے اللہ! ہمیں معاف فرما۔ اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی معاف فرما، جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے۔

www.rahimia.org

پہلی قسم

حکیم الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان سے لے کر پانچویں تاریخی مرحلے کے آئمہ تک کی اسانید کا بیان

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ دسویں دور (1118ھ تا 1174ھ/ 1707ء تا 1761ء) کے آئمہ میں سے دوسرے طبقے کے لوگوں میں سے ہیں۔

اُن کے والد حضرت الامام شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ اس دور کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ گیارہویں دور (1174ھ تا 1274ھ/ 1761ء تا 1857ء) کے پہلے طبقے کے آئمہ میں سے ہیں۔

(۱) صدر الشہید شیخ محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ اور (۲) امام عبدالعزیز کے نواسے صدر الحمید شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سمیت ہندوستانی تحریک کے چاروں اراکین میں سے باقی دو یعنی امام عبدالعزیز کے داماد (۳) صدر السعید شیخ عبدالحئی دہلویؒ اور (۴) امام عبدالعزیز کے خلیفہ امیر الشہید سید احمد حسنی دہلویؒ گیارہویں دور کے آئمہ میں سے دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام عبدالعزیز دہلویؒ کے نواسے شیخ محمد یعقوب دہلویؒ گیارہویں دور کے تیسرے طبقے اور بارہویں دور (1274ھ تا 1340ھ/ 1857ء تا 1922ء) کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح ہندوستان میں ولی اللّٰہی خاندان کی امامت تقریباً دو سو سال تک یعنی 1084ھ (1674ء) سے 1283ھ (1866ء) تک مسلسل قائم رہی ہے۔

جہاں تک ہمارے دیوبندی مشائخ کا تعلق ہے، تو اُن میں سے اہم ترین لوگ گیارہویں دور کے تیسرے طبقے اور بارہویں دور کے آئمہ میں سے ہیں۔ چناں چہ دہلی کے مدرسے کے نقش قدم پر دیوبند کے مدرسے کی بنیاد 1283ھ (1866ء) میں رکھی گئی۔

واللہ الموفّق و الهادی (اللہ ہی توفیق دینے اور ہدایت دینے والا ہے۔)

www.rahimia.org

پہلا باب

ولی اللّٰہی خاندان اور ہمارے دیوبندی مشائخ کے آئمہ کا تذکرہ

پہلی نوع: امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ کے تذکرے میں

فصل (1) (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے حالاتِ زندگی)

ان کا نام عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد العمری الدہلوی ہے۔ آپ کے والد شیخ وجیہ الدین شہید دہلی کے قریب ایک چھوٹے سے شہر سونی پت کے سادات میں سے سید نورالجبار کاظمی کے نواسے تھے۔ اس طرح آپ کو اپنے ددھیال کی نسبت سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے بھی نسبت حاصل ہے۔

آپ کے نانا شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن امام عبدالعزیز دہلوی نے شیخ عبدالرحیم کی ولادت کی خوش خبری دی تھی۔ اور انھوں نے آپ کے لیے بہت سی وصیتیں کی تھیں۔ چناں چہ جب آپ کی پیدائش 1054ھ (1644ء) میں ہوئی تو آپ نے یہ وصیتیں اپنی نانی سے وصول کی تھیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''سلطان شاہجہاں نے سن (10/ شوال) 1060ھ (06/ اکتوبر 1650ء) میں دہلی شہر میں جامع مسجد ''جہاں نما'' کی بنیاد رکھی۔ (4) اور والد گرامی کو یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔'' انتھٰی (5)

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے سلطان محی الدین عالم گیرؒ کے زمانے میں دارالسلطنت دہلی اور اکبرآباد (آگرہ) میں جمع ہونے والے بڑے بڑے اکابرین سے علوم و معارف، اَخلاق اور حکمت کی تربیت حاصل کی۔ اور جب انھیں حضرت سید عظمت اللہ (اکبرآبادی) سے اجازت اور خلافت حاصل ہوئی تو 1084ھ (1674ء) میں وہ ایک ایسی حیثیت کے رہنما اور امام بن گئے، جن کی مکمل پیروی اور اتباع کی جاتی تھی۔

(آپؒ کے اساتذۂ کرام اور مشائخ)

آپ نے درج ذیل حضرات سے تعلیم حاصل کی:

1۔ اپنے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ

2۔ شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ المعروف خواجہ خورد

3۔ سید عبداللہ قاری دہلویؒ

www.rahimia.org

4۔ میرزاہد اکبرآبادیؒ (دورِ عالم گیری کے امیر الاحتساب)

5۔ خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ

6۔ سید عظمت اللہ اکبرآبادیؒ

7۔ امیر نور العُلاء اکبرآبادیؒ

امام ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''میرے والدِ گرامی نے چھوٹے درجات کی کتابیں اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ سے پڑھیں۔ اور بڑے درجات کی کتابیں میرزاہد ہرویؒ سے، اور انھوں نے میر فاضل سے اور انھوں نے ملا یوسف سے اور انھوں نے میرزا جان سے اور انھوں نے محمود شیرازی سے اور انھوں نے محقق جلال الدین دوانی سے کتابیں پڑھیں۔'' (6)

اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ:

''میرے والد گرامی نے بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ ان میں اہم ترین تین مشائخ ہیں:

1۔ خواجہ خورد یعنی شیخ محمد عبداللہ بن باقی دہلویؒ، جنھوں نے (تین مشائخ:)

(الف) شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی)

(ب) شیخ اللہ دادؒ، اور

(ج) خواجہ حسام الدینؒ کی صحبت اختیار کی۔

اور ان تینوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کی صحبت اختیار کی تھی۔

2۔ سید عبداللہ، جنھوں نے شیخ آدم بنوریؒ کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ کی اور انھوں نے خواجہ محمد باقی باللہؒ کی صحبت اختیار کی۔

3۔ خلیفہ ابوالقاسمؒ، جنھوں نے ملا ولی محمدؒ کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے امیر ابوالعلاءؒ کی صحبت اختیار کی۔'' (7)

اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ:

''ہمارے شیخ اور والد گرامی شاہ عبدالرحیم اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد کی روحانیت سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور آدابِ طریقت سیکھے۔ اور خلافِ عادت اپنی ولادت سے دو سال پہلے ہی آپ کو اُن سے اجازت بھی حاصل ہوگئی۔ شیخ رفیع الدین محمد نے اپنے والد شیخ قطب العالمؒ کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے شیخ نجم الحقؒ سے اور انھوں نے شیخ عبدالعزیز دہلویؒ (شکر بار) کی صحبت اختیار کی۔

نیز میرے والدِ گرامی نے باطنی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے آدابِ طریقت

www.rahimia.org

سیکھے۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور آپؐ سے بیعت کی۔ پھر انھوں نے آپؒ کو (ذکرِ) نفی اثبات کی تعلیم دی۔ اسی طرح انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے بھی فیض حاصل کیا۔ انھوں نے آپ کو اسم ذات کا ذکر سکھایا۔

اسی طرح والد گرامی نے آئمہ طریقت شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ اور شیخ معین الدین محمد ابن حسن چشتیؒ کی روح سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور ان سے بھی اجازت اور خلافت حاصل کی۔'' انتھیٰ (8)

میں کہتا ہوں: شیخ عبدالرحیم دہلویؒ اُس اجازتِ عامہ میں بھی شامل ہیں، جو انھیں درجِ ذیل مشائخ سے حاصل ہوئی تھی:

1۔ شیخ خیرالدین رَملیؒ حنفیؒ

2۔ شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوری مدنی حنفیؒ

3۔ محقق ابراہیم بن حسن کردی مدنی شافعیؒ

4۔ مسند شمس الدین محمد بابلی شافعیؒ

(ولی اللّٰہی سن کی ابتدا)

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ: شیخ عبدالرحیم دہلویؒ ہندوستان میں بارہویں صدی کے شروع کے مجددین میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ آپ کا انتقال 1131ھ (1719ء) میں ہوا۔

میں کہتا ہوں: اسی لیے ہم نے ولی اللّٰہی سن کی ابتدا جامع مسجد دہلی کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے واقعے (1650ء) سے کی ہے۔ تاکہ اُس اہم اور مبارک واقعے کے موقع پر شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کی شرکت کو بطورِ تذکرہ یاد رکھا جائے۔ ہم نے ولی اللّٰہی سنوں کے مہینے شمسی حساب سے رکھے ہیں۔ جیسا کہ مسیحی مہینے ہوتے ہیں۔ چناں چہ یکم جنوری 1931ء، یکم جنوری 281 ولی اللّٰہی کے برابر ہے۔ تاکہ ہمارے سرو راجی (عوامی) پروگرام کے لیے سہولت پیدا ہو جائے۔

شیخ محسن یمانیؒ (9) نے اپنی کتاب ''**اليانع الجنی من أسانيد شيخ عبدالغنی**'' میں لکھا ہے کہ:

''شیخ عبدالرحیم دہلوی مشائخ دہلی میں سے بڑے مرتبے والے تھے۔ اور اُن میں سربرآوردہ شخصیت تھے۔ آپ کے حالات اولیائے ہندوستان کی سیرت پر لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے حالات کی اکثر تفصیلات (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی) کتاب ''**أنفاس العارفين**'' میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ''**طبقات الأبرار**'' میں بھی آپ کا تذکرہ ہے۔ آپ کو اویسی نسبت سے بڑا وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے باطن میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی روحانیت سے بڑے عظیم انوارات منعکس ہوئے تھے۔ اور اسی کے

ساتھ ساتھ آپ میں تمام اولیاء اللہ کے سلسلوں کے فیوضات و برکات بھی جمع ہو گئے ہیں۔ اور باوجود اس بات کے کہ آپ کو صوفیا کے طریقے میں بہت بلند مرتبہ اور اونچا مقام حاصل تھا۔ آپ کو ظاہری علوم میں بھی بہت وافر اور عظیم حصہ ملا تھا۔ چناں چہ آپ نے شیخ سید زاہد بن اسلم اکبر آبادی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ جن کی پیدائش اکبر آباد میں ہوئی اور اصلاً وہ ہرات کے رہنے والے ہیں۔ اور (فلسفہ اور منطق میں) گہرائی کی حامل مشکل تصانیف لکھنے والے ہیں۔ ہندوستانی علاقوں پر مشتمل شہروں میں آپ کی کتابیں بڑی مشہور ہیں۔ چناں چہ آپ نے ان سے پوری مہارت اور تربیت حاصل کی۔'' انتہٰی (10)

فصل (2) (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کی اہم خصوصیات)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے ''**بوارق الولایہ**'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور اُسے اپنی کتاب ''**انفاس العارفین**'' کا حصہ بنایا ہے۔ اس رسالے میں آپ نے شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے مقالات وملفوظات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اور آپ کے بلند مقامات کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے آپ کی درجِ ذیل اہم خصوصیات واضح ہوتی ہیں:

1۔ (مجتہدِ منتسب اور محقق حنفی عالم)

شیخ عبدالرحیم دہلوی ایک محقق حنفی عالم اور فقیہ تھے۔ چناں چہ آپ فتاویٰ عالم گیریہ کے جمع کرنے میں کچھ عرصہ شریک رہے۔ پھر چند وجوہات کی وجہ سے اس سے علاحدہ ہوگئے۔ آپ تحقیق میں مجتہدین منتسبین کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔ جیسا کہ متأخرین میں شیخ کمال الدّین ابن ہمامؒ اور ان کے شاگرد ہیں۔ اسی لیے آپ بعض اوقات اَحناف کے علاوہ اہلِ سنت میں سے کسی اور امام کے قول کو بھی پسند کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک اس امام کی دلیل زیادہ راجح ہوتی ہے۔

2۔ (مسائل کی تحقیق میں فقہی دلائل، کشفی وجوہات اور سیاسی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھنا)

مسائل کے انتخاب کرنے اور اس کی ترجیح میں آپ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ آپ محض دلائل فقہیہ پر اپنی نظر وفکر کو محدود نہیں رکھتے، بلکہ زیرِ بحث مسئلے میں کشفی وجوہات اور سیاسی مصلحتوں کو بھی اسی طرح پیشِ نظر رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث کے دلائل آپؒ کے سامنے ہوتے تھے۔ (گویا شریعت، طریقت اور سیاست کے دلائل، کشفی وجوہات اور ان کے تقاضے ہمیشہ آپؒ کے پیشِ نظر رہتے تھے۔)

3۔ (طریقت کے علوم و معارف کے محقق اور مجتہد)

شیخ عبدالرحیم دہلویؒ عارفِ کامل تھے۔ اور قادری، چشتی، نقشبندی اور مجددی طریقۂ سلوک کی تکمیل کرنے والے تھے۔ اور معارف واحوال کی تحقیق میں محقق اور مجتہد تھے۔ (11) چناں چہ امام ولی اللہؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

www.rahimia.org

''جب ایک دفعہ شیخ عبدالرحیم دہلوی نے امام ربانی کے پوتے شیخ حجۃ اللہ کی مجلس میں بعض خاص قسم کے معارف بیان فرمائے۔ تو انھوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ اور شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے قول کو سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامی کے قول پر ترجیح دی۔'' (12)

4۔ (قرآن عظیم کی تدریس کا تجدیدی طریقۂ کار)

آپ کے عظیم ترین کمالات (13) میں سے یہ ہے کہ آپؒ نے پورے تدبر کے ساتھ قرآن عظیم کی تعلیم و تدریس کے کام کی تجدید کی۔ آپ قرآن حکیم کی اُسی طرح تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ تمام علوم وفنون کی تعلیم دیتے ہوئے شروحات اور حواشی سے پہلے متون پڑھائے جاتے ہیں۔ اس طرح آپؒ مفسرین کی متنازع آرا اور ان کے باہمی اختلافات کو نظرانداز کرتے ہوئے خالصتاً مفہومِ قرآنی کو متعین کر لیتے تھے۔ اس طرح یہ اندازِ درس و تدریس ولی اللّٰہی سلسلے کے خاص لوگوں کا طریقہ بن گیا۔

5۔ (سنتِ نبویہؐ اور حکمتِ عملی کے درمیان جمع و تطبیق)

ایسے ہی آپؒ کے مخصوص کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے حکمتِ عملی اور سنت محمدیہ کے درمیان جمع و تطبیق کے کام کی تجدید کی ہے۔ چناں چہ شیخ حکمتِ عملی کے بڑے ماہر تھے۔ اس لیے کہ آپ نے اس کے اساسی اصول اور نظریات شیخ جلال الدین دوانیؒ کے تلامذہ سے حاصل کیے تھے۔ ایسے ہی نظامِ حکومت سے متعلقہ عملی اُمور آپ نے شیخ خواجہ حسام الدین دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب اور شیخ ابوالعلا اکبرآبادیؒ کے صحبت یافتہ مشائخ سے حاصل کیے۔ اس لیے کہ دونوں خانوادے ہندوستانی حکومت و سلطنت کے نظام کا ہمیشہ حصہ رہے ہیں۔ (14) اسی لیے شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کی کنیت ''ملاءِ اعلیٰ'' میں ''ابوالفیض'' ہے۔ (15) یہ ایسے ہی ہے، جیسے اکبر بادشاہ کی سلطنت میں وزیرِاعظم کی کنیت (''ابوالفضل'' یا ''ابوالفیض'') ہوتی تھی۔

6۔ (امام ولی اللہ دہلویؒ کی تربیت پر پوری توجہ)

انھوں نے اپنے صاحبزادے امام ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیم و تربیت کی جانب اپنی ہمت و صلاحیت کو پوری طرح متوجہ کر لیا تھا۔ چناں چہ انھوں نے انھیں تعلیم، ارشاد اور تربیت کے تمام پہلو سکھائے۔ اللہ پاک نے آپ کی کوششوں میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ اس طرح آپ کی اولاد میں بہت پاکیزہ اور بلند درجہ آئمہ پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ فرمایا کہ: مجھے الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔'' انتھیٰ (16)

www.rahimia.org

فصل (3): امام ولی اللہ دہلویؒ کے چچا شیخ الاجل ابوالرضا محمد بن وجیہ الدین دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ، شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔ اس لیے کہ وہ 1046ھ (1637ء) میں پیدا ہوئے۔ اور انھوں نے شیخ عبداللہ بن (خواجہ) محمد باقی (باللہ) دہلویؒ (المعروف خواجہ خورد) سے تعلیم حاصل کی۔ اور انھوں نے خواجہ حسام الدین دہلویؒ، شیخ رفیع الدین محمدؒ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

اور اسی طرح شیخ ابوالرضا محمدؒ نے ملا بصیرا کبرآبادیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ عبدالرحیم دہلویؒ نے کتب تحصیل کی ابتدائی کتابیں اور ''شرح عقائد نسفی'' اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ سے پڑھی۔

شیخ محسنؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''شاید کہ ان کے بھائی ابوالرضاؒ ان علوم میں اُن سے چند ہاتھ آگے تھے۔ اور اُن کا دائرہ ان سے بڑھ کر تھا۔'' انتھٰی (17)

میں کہتا ہوں کہ: امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے چچا امام ابوالرضا محمد دہلویؒ کے ملفوظات اور اُن کے مقامات کے بیان میں ایک رسالہ ''شوارق المعرفۃ'' لکھا ہے۔ جسے انھوں نے اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' کا حصہ بنایا ہے۔ اس (رسالے کے مطالعے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابوالرضاؒ تمام علومِ دینیہ میں ماہر اور محقق عالم تھے۔ اور بعض تحقیقات میں امام ولی اللہ دہلویؒ صرف انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ (18)

آپ کا انتقال 1101ھ (1690ء) میں ہوا۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ کلیم اللہ دہلویؒ ہیں۔

دوسری نوع: حکیم الہند امام ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلویؒ کا تذکرہ

فصل (1) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالاتِ زندگی اور اساتذہ)

امام قطب الدین ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد عمری دہلویؒ، آپ کی پیدائش کی خوش خبری شیخ الاسلام قطب الدین اوشی دہلویؒ (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) نے دی تھی۔ آپ 1114ھ (1703ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد امام عبدالرحیم دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اور انہی سے تمام علوم کی تکمیل کی تھی۔ آپؒ خود ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک علومِ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق کا تعلق ہے، ہم نے یہ تمام علوم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیے۔'' (19)

نیز وہ لکھتے ہیں:

www.rahimia.org

''اس بندۂ ضعیف ولی اللہ نے ـــــ اللہ اسے معاف کرے۔ اور اُسے اپنے پیش رَو صالحین سے ملائے ـــــ اپنے والد، شیخ اَجل عبدالرحیمؒ کی صحبت سے ـــــ اللہ اُن سے راضی ہو۔ اور وہ اُن سے راضی ہوں ـــــ ایک طویل مدت تک فیض حاصل کیا۔

ان سے میں نے ظاہری علوم پڑھے۔ اور طریقت کے آداب سیکھے۔ اور ان کی کرامات دیکھیں۔ ان سے مشکلات کے حل پوچھے۔ اور طریقت وحقیقت اور واقعات واحوال وکرامات کے حوالے سے جو کچھ ان پر اور ان کے مشائخ پر گزرا تھا، اُن اُمور کے بارے میں ان سے بہت کچھ سنا۔'' انتھٰی (20)

میں کہتا ہوں کہ: انھوں نے اپنے کمال میں مزید اضافے کے لیے شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) دہلویؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ اور انھوں نے دو عظیم مشائخ کی صحبت حاصل کی تھی: ایک شیخ عبدالاحد بن امام محمد سعید سرہندیؒ اور دوسرے شیخ حجۃ اللہ بن امام محمد معصوم سرہندیؒ۔ اور نیز انھوں نے علم حدیث شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکیؒ سے بھی حاصل کیا تھا۔

شیخ محسنؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''پھر ان کو حدیث کی روایت کرنے کی عام اجازت شیخ الاجل، بلند معارف اور فضیلتوں کے حامل علوم کے متبحر عالم شیخ محمد افضل المعروف حاجی سیالکوٹی ثم دہلویؒ سے حاصل ہوئی۔ اور یہ شیخ عبدالاحد بن خازن الرحمہ شیخ محمد سعید بن الامام العارف شیخ اجل احمد بن عبدالاحد مجدد (الف ثانی) سرہندیؒ کے بلند مرتبہ اصحاب میں سے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے نفع حاصل کیا۔ اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔ حضرت مجددؒ کی اسانید ان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتابوں میں مکمل طور پر بیان کی گئی ہیں۔'' انتھٰی (21)

میں کہتا ہوں کہ: ایسے ہی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حرمین شریفین کے درجِ ذیل مشائخ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی:

1۔ ان مشائخ میں سے شیخ ابوطاہر مدنی شافعیؒ ہیں۔ جنھوں نے اپنے والد امام محقق علامہ شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنی شافعیؒ سے اور امام محقق شیخ حسن بن علی عُجیمی مکی حنفیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

2۔ ان مشائخ میں سے شیخ محمد وفداللہ مکی مالکیؒ ہیں، جنھوں نے اپنے والد امام محقق حافظ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی مکی مالکیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

3۔ آپ کے مشائخ میں شیخ تاج الدین قلعی مکی حنفیؒ بھی ہیں۔ اور وہ امام محقق حسن بن علی عُجیمی مکی حنفیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور شیخ عُجیمیؒ نے شیخ محمد حسین خافیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اور انھوں نے شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے۔

www.rahimia.org

4۔ ان میں شیخ اسعد بن عبداللہ بن شمس الدین عتاقی مکی حنفیؒ بھی ہیں۔ اور وہ اپنے والد اور اپنے دادا کے واسطے سے محقق علامہ (ملا) علی قاری ہروی اکبرآبادی مکی حنفیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

5۔ میں کہتا ہوں کہ: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اُس اجازتِ عامہ میں بھی شامل تھے، جو انھیں شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی حنفیؒ سے حاصل تھی۔ (22)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انتقال 1176ھ (1762ء) میں ہوا۔

فصل (2) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خصوصیات)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے (اپنے خودنوشت حالاتِ زندگی) ''الجزء اللّطیف'' میں لکھا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کی اس بندۂ ضعیف پر عظیم ترین نعمتوں میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

1۔ (آخری دور کا فاتح یعنی اسرار و رموز کھولنے والا)

اُس نے مجھے ''خلعت الفاتحیه للدور ةالاخیرة'' (اس آخری دور کے (اَسرار و رموز) کھولنے والے کی حیثیت) عطا فرمائی۔

2۔ (بہترین فقہ کی جانب رہنمائی)

اللہ نے اپنی پسندیدہ فقہ کی مجھے ہدایت دی ہے۔

3۔ (فقہ الحدیث کی تجدید اور اس کی جمع و ترتیب)

اللہ نے مجھے فقہ الحدیث کی تجدید اور اس کی جمع و ترتیب کا کام کرنے کی توفیق دی۔

4۔ (شرائع و مصالح کے اَسرار و حکمتوں کا بیان اور اس کی اہمیت)

اللہ نے مجھے الہام کیا ہے کہ میں اپنے ربّ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تمام احکامات، سنن، شرائع اور مصالح کے اَسرار و حکمتیں بیان کروں۔

یہ بڑا عظیم الشان فن ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی آدمی نے ایسے ضبط واتقان کے ساتھ اس علمِ اسرارِ دین کو بیان نہیں کیا۔ اور جس کو اس بارے میں شک ہو تو اُس کو چاہیے کہ وہ علامہ عز بن عبدالسلام کی کتاب ''القواعد الکبریٰ'' پڑھے۔ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی کدوکاوِش کی ہے، اس کے باوجود وہ اس فن کا دسواں حصہ بھی بیان کرنے میں کام یاب نہ ہوسکے۔

5۔ (سلوک کے پسندیدہ طریقے کا الہام)

اس زمانے میں اللہ کے نزدیک سلوک کا جو پسندیدہ طریقہ ہے، اللہ نے مجھے اس کا الہام کیا۔ اس

www.rahimia.org

دور میں اسی طریقۂ سلوک سے کامیابی حاصل کرنا مقرر کیا جا چکا ہے۔ پس میں نے اس طریقۂ سلوک کو اپنے دو رسالوں میں منضبط کر کے بیان کیا ہے۔ میں نے ان دونوں رسالوں کا نام ''لمحات'' اور ''الطاف القدس'' رکھا ہے۔

6۔ (سلف صالحین کے عقائد کی دلائل کے ساتھ توضیح)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی توفیق دی کہ میں سلفِ صالحین کے عقائد کو واضح دلائل اور قطعی حجتوں کے ذریعے سے ثابت کروں، اور اُن کو اہلِ معقول (منطقیوں اور فلسفیوں) کے شکوک و شبہات سے پاک کروں۔ اور ان کو ایسے طریقے سے بیان کروں کہ اس کے بعد کسی کو بھی اس میں بحث مباحثہ کی گنجائش نہ رہے۔

7۔ (کمالاتِ اربعہ کے علم کا فیضان)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کمالاتِ اربعہ یعنی: 1) ابداع، 2) خلق، 3) تدبیر، 4) تدلی کے علم کا تفصیلی فیضان کیا ہے۔ (اس کی تفصیل ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیان ہوئی ہے)

8۔ (کل نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے علوم کا فیضان)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انسانی نفوس کی استعداد و صلاحیت، اُن کے کمالات اور فائدے کے اُمور سے متعلق علوم (یعنی نفوسِ انسانی کے اَخلاقِ اربعہ، ارتفاقاتِ اربعہ اور تعلق مع اللہ کے لیے شعائرِ اربعہ) کا بھی فیضان کیا ہے۔

یہ آخری دو علم ایسے ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی آدمی ان دونوں علوم کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکا۔

9۔ (کتاب و سنت سے حکمتِ عملی کی وضاحت)

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکمتِ عملی کی تعلیم اور اس کا شعور دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی خاص عنایت ہے کہ اس دور کی کامیابی کا دار و مدار اس کے تفصیلی اُمور پر عمل کرنے پر ہی ہے۔ اللہ نے مجھے اس بات کی توفیق دی کہ میں حکمتِ عملی سے متعلقہ علم و شعور کو کتاب، سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مربوط اور مضبوط بناؤں۔

10۔ (دینی فہم و شعور کا ملکہ)

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ملکہ اور دینی فہم و شعور عطا فرمایا کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ علم دین اور جو کچھ اس میں تحریف شدہ چیزیں داخل کر دی گئی ہیں، کے درمیان تمیز پیدا

www.rahimia.org

کرسکوں۔ اور مجھ میں یہ صلاحیت بھی اللہ نے عطا فرمائی کہ سنتِ رسول اللہؐ اور بعد کے تمام فرقوں کی جانب سے گھڑی ہوئی بدعت، کے درمیان تمیز پیدا کرسکوں۔

و لو أنّ لی فی کلّ منبت شعرۃ
لسانا لما استوفیت واجب حمدہٖ

(اگر میرے ہر بال میں ایک زبان ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی، اللہ کی ضروری حمد وثنا پھر بھی ادا نہ ہوتی۔)

ان باتوں پر اللہ رب العالمین کی حمد وثنا ہو۔'' انتھیٰ (23)

فصل (3) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر علوم و معارف کا فیضان)

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''بے شک امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ علوم ___ جن سے اللہ نے انھیں خصوصی طور پر نوازا، اور وہ علوم، جن میں اُن کے ساتھ دیگر تمام آئمہ شریک ہیں ___ بہت سے ہیں۔ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی گنتی کرتے ہوئے زبان تھک جائے، لیکن مجھ پر یہ ضروری ہے کہ میں اُن قابل فخر علوم میں سے کچھ کا تذکرہ کروں، تاکہ ہر انصاف پسند آدمی پر یہ بات واضح ہوجائے کہ کتنے ہی علوم ہیں کہ جو پہلے والوں نے بعد والوں کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ اس لیے کہ ہر آدمی کا نصیب آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اور فضل وانعام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔

1۔ (عربی فصاحت وبلاغت میں مہارت)

ان علوم میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ عربی زبان بولنے اور لکھنے کا ملکہ عطا کیا تھا۔ جب کہ دیگر غیر عرب لوگوں میں عام طور پر ایسی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جب کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا حال یہ ہے کہ ان کے عربی میں لکھے ہوئے عمدہ الفاظ اور خوب صورت جملے آپ سنیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ ایک ایسا آدمی ہے، جو (عربوں کے) قبیلہ بنوہوازن کے بلند علاقوں کی کسی بستی کا رہنے والا ہے۔ یا یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسا کہ انھیں بنوتمیم کے زیریں علاقے کی عورت نے عربی فصاحت و بلاغت کے آداب سکھائے ہوں۔

اور خود شیخ شاہ ولی اللہ کو بھی اپنے بارے میں ان بعض اوصاف کا پتہ تھا، جو میں نے ابھی بیان کیے۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے اپنے بیٹوں اور اَحباب کو جو وصیت کی ہے، اس میں انھیں عربی زبان پر پورا عبور حاصل کرنے اور اس کا ادبی ذوق اور ملکہ پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چناں چہ انھوں

نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ بے شک عربی زبان ان چند ایک قابل فخر چیزوں میں سے ہے کہ جن سے سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کے ذریعے سے اُن کا سلسلہ مضبوط رسّی کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔(24)

2۔ (فقہی علوم میں آپ کا رسوخ اور مہارتِ کاملہ)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مخصوص علوم میں سے ایک اور علم، آئمہ اربعہ اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب کے مذاہب کی اساس پر فقہی علوم میں مہارت اور رسوخ کا ہونا ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ ان سے متعلق صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب اور فقہائے محدثین کی جماعتوں کے اقوال پر آپؒ کو پورا عبور حاصل تھا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو یہ تمام علوم مکمل طور پر یاد رہتے تھے۔ چناں چہ آپ نے انھیں تحریر کیا۔ اُن میں مہارت حاصل کی اور پورا اعتماد اور رسوخ پیدا کیا۔ فقہی مسائل کے اصل مآخذ دریافت کیے۔ ان کے دلائل کی اختلافی وجوہات اور ان کے پس منظر کو سمجھا۔ پھر ان کے اساسی اور پُر مغز مسائل کو ذیلی اور ضمنی مباحث سے جدا کیا۔ ان کے دلائل کی نوعیت کو پرکھ کر ان کے اصل حجم اور دائرۂ کار کا تعین کیا۔ پھر ان فقہی علوم کو اپنے شاگردوں کے لیے بہترین انداز میں بیان کیا۔ اپنے بے مثل اندازِ تحریر کے ذریعے ایک ایسی فقہ کی نشان دہی کی، جس کا ہر ایک پہلو کھلے ہوئے سفید پھولوں کی سفیدی اور خوب صورتی کی مانند بڑا روشن اور عمدہ ہے۔

اس طرح فقہی علوم کے ہر پیاسے کو مکمل طور پر سیراب کیا۔ اور اس حوالے سے ہر طرح کے اندھے پن کو دور کیا۔ اور لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور یوں اپنے شاگردوں اور اَحباب کے ہاتھوں کو مضبوط تسلسل کے ساتھ جوڑ دیا۔ تمام عمر آپؒ کا یہی طریقہ رہا، یہاں تک کہ اپنے ربّ سے جا ملے۔

3۔ (علم الحدیث اور آثار و اَخبار کے فن میں مہارت)

ان علوم میں سے تیسرا علم ''علم الحدیث'' اور آثار و اَخبار کا فن ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسے لوگوں کے سامنے دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح کیا۔ اس طرح علم حدیث ایسا روشن ہو گیا، جیسے دوپہر کو چمکتا ہوا سورج۔ چناں چہ اس علم کے عمدہ اور بہترین طریقۂ کار سے بہت سے لوگوں نے خوشہ چینی کی۔ اور بہت سے شکوک و شبہات میں مبتلا لوگوں کے امراض دور ہوئے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لوگوں کے سامنے اس کا نچوڑ بڑے واضح انداز میں پیش کیا۔ علم حدیث کے آئینے کو انتہائی صاف و شفاف بنایا۔ اس علم کے پھیلاؤ کے لیے انتہائی قوت صرف کی۔ اس کا جھنڈا بلند کیا۔ اور اس کے اہم ترین بنیادی پہلوؤں کی تجدید کی۔ یہاں تک کہ لوگ دور دراز سے آ کر اس سے سیراب ہونے لگے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے آپؒ کی فضیلت اور مرتبے کو دل و جان سے تسلیم کر لیا۔ اور آپ کو ''رئیس

المحدّثین'' اور ''**ناصر سنن سید المرسلینؐ**'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی بہترین مدد کرنے والا) سمجھ کر آپ سے اَحادیث کی روایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی یہ وہ اہم فضیلت ہے، جس کے بارے میں کوئی سے دو افراد بھی اختلاف نہیں رکھتے، حتیٰ کہ آپؒ کے دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے، پھر دوستوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے!۔ مرتبہ اور فضیلت تو وہ ہوتی ہے، جس کا دشمن بھی علی الاعلان اعتراف کریں۔ ہندوستان میں رہنے والوں میں اس علم کی طرف توجہ دینے والا آپ سے پہلے کوئی آدمی نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ اور ان کے صحبت یافتہ اصحاب اور شاگرد ہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے احادیث کے علم کی روایت کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ اور اُسے دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلایا۔ ولی اللّٰہی جماعت کے علاوہ اللہ نے یہ کام کسی اور کے مقدر میں نہیں لکھا تھا۔

یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ جسے اللہ نے صرف شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ پر ہی اسے ظاہر کیا۔ اور آپؒ کی اتباع کرنے والے علم حدیث کے حاملین اور روایات کو منتقل کرنے والے لوگوں کے ذریعے اسے ظاہر کیا۔ حال آں کہ آپؒ سے پہلے بھی بڑے بڑے اجل علما اور فضلا ہوگزرے ہیں۔ اور وہ اس علم حدیث میں مشغول بھی رہے ہیں۔ اور ان کا پرواز فکر اس طرف متوجہ بھی ہوا ہے۔ اور ان کا نفع بھی بہت سی جماعتوں تک پہنچا ہے۔ اور ان کے علوم کی بارش سے لوگ سیراب بھی ہوئے ہیں، لیکن ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ شاگرد اس کام کے لیے اٹھ نہ سکے۔ اس طرح ان کے آثار مٹ گئے۔ ان کا تذکرہ ختم ہوگیا۔ ان کے اہم ترین لوگوں نے اس علم کو چھوڑ دیا۔ چناں چہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر خطے میں ان کی اسناد کا تذکرہ لوگوں کے درمیان ہمیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور نہ اس کا کوئی حوالہ دیکھتے ہیں، لیکن جہاں تک معاملہ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے والد یعنی امام ولی اللہ دہلویؒ کا ہے، تو اُن کا سلسلۂ سند ایسا ہے کہ لوگ اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اور لوگ حدیث کے اس روشن منار پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ اور اس علم کی روشنی ہی کی بنیاد پر زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اور انہی کے سینے کے اَنوار سے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔

أفلت شموس الأولین ، و شمسنا
أبداً علٰی أفق العُلٰی لا تغربُ

''پہلے لوگوں کے تمام سورج غائب ہوگئے۔ اور ہمارا سورج ہمیشہ ہمیشہ بلند مرتبوں کے اُفق پر روشن ہے، جو کبھی غروب نہیں ہوگا۔''

www.rahnuma.org

4۔ (''علم تفسیر القرآن و تأویل کتاب اللّٰہ العزیز'' میں مہارت)

ان علوم میں سے ''علم تفسیر القرآن و تأ ویل کتاب اللہ العزیز'' ہے۔ جس آدمی کی بھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں پر نظر ہے، اور جس نے بھی ان کتابوں پر بڑا غور کیا ہے، اور جس پر اللہ نے یہ بھی انعام کیا ہو کہ وہ ان کتابوں کے اندر موجود بہترین اور عمدہ باتوں کے چہرے سے پردہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کے دماغ میں ان کتابوں کے نفیس خزانوں کی فہم اور سمجھ ہو جائے، وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اس علم تفسیر میں بڑا وافر حصہ ملا تھا۔ اور وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ شاہ صاحبؒ اللہ کی کتاب کے بہترین ترجمان ہیں۔ اور کتاب اللہ کے معنی کا مفہوم متعین کرنے میں بہترین مدد کرنے والے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ جائے گا کہ شاہ صاحبؒ وحی الٰہی اور تنزیلِ خداوندی کے حقائق و معارف کو کھول کر بیان کرنے والے ہیں۔

علم تفسیر کے حوالے سے آپ کی کتابیں چند نئے علوم و فنون پر مشتمل ہیں۔ مثلاً:

(الف) (علومِ خمسہ کی نشان دہی)

آپ نے قرآن حکیم کے علومِ خمسہ کا تعین کیا اور انھیں بیان کیا ہے۔ (جس کے پس منظر کا تذکرہ **''حجۃ اللّٰہ البالغہ''** میں بیان کیا ہے، جب کہ تفصیلی بحث **''الفوز الکبیر''** میں کی ہے۔)

(ب) (قرآنی حروفِ مقطعات کی تشریح)

اسی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات کی تشریح و تاویل بیان کی ہے۔ (جس پر اختصار کے ساتھ **''الخیر الکثیر''** میں بحث کی ہے، جب کہ **''الفوز الکبیر''** کے چوتھے باب کی آخری فصل میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔)

(ج) (قرآنی قصصِ انبیاؑ کی توضیح)

نیز قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصص کی بہترین توجیہ و تاویل کی ہے۔ اور اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے کہ ہر نبی کی قابلیت اور اُس کی قوم کی استعداد کے تناظر میں ان قصص و واقعات کی صحیح ترجمانی کیسے ممکن ہے۔ اور ہر دور میں کیسے اللہ علیم و قدیر کی حکمت نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے انسانیت کے لیے بہترین نظام قائم کیا ہے۔

اس سلسلے میں آپ کی بہترین تصنیف کا نام **''تاویل الأحادیث''** ہے۔

(د) (قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ)

آپ کی تصنیفات میں سے فارسی زبان میں قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ ہے، جو بعینہٖ عربی زبان کی طرز

www.rahimia.org

پر ہے۔ اس کے جملوں کی مقدار اور اس کے لفظوں کی ساخت اور عمومیت وغیرہ عربی جملوں کی مقدار اور ساخت کے عین مطابق ہے۔ اور اس کا نام انھوں نے ''فتح الرّحمان فی ترجمة القرآن'' رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: شاہ صاحبؒ نے اس ترجمے کے حاشیے میں مشکل مقامات کی مختصر تفسیر بیان کی ہے۔ اور بہت سے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ میری بات ختم ہوئی۔ (از حضرت سندھیؒ)

(آپؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا اردو میں ترجمۂ قرآن حکیم)

انہی کے انفاسِ قدسیہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے اور انہی کے طرز اور نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اردو زبان میں قرآن کا بہترین ترجمہ کیا ہے۔ اس طرح ان کے بعد لوگوں کے لیے ترجمہ کرنا آسان ہوگیا۔ اس حوالے سے وہ اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔ اور وہ سب سے پہلے فرد ہیں، جنھوں نے قرآن حکیم کے ترجمے کے فن میں انتہائی مہارت حاصل کی۔ اور اس کے اصول وضوابط مرتب و مدوّن کیے۔ (25)

ان کے بیٹے شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے ان کے چند جامع پہلو اپنی بعض مختصر کتابوں میں بہت عمدہ طریقے سے بیان کیے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے اردو ترجمے کے بعض الفاظ کا اردو محاورات میں استعمال ختم ہو چکا تھا۔ تو ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے اس کی اصلاح اور درستگی کی۔ میری بات ختم ہوئی۔ (حضرت سندھیؒ)

اس طرح علمِ تفسیر دوبارہ تروتازہ ہوکر سامنے آیا۔ اور اس علم کے اندر بڑی پختگی اور عمدگی پیدا ہوگئی۔ جب کہ اس سے پہلے اس حوالے سے بڑی سستی اور کوتاہی پائی جاتی تھی۔........

اور یہ کتاب جس کا نام ''المسوّٰی'' ہے، اس میں تو ان کی عجیب وغریب صلاحیتوں نے تحقیقات کے نہایت ہی عمدہ شاہکار پیش کیے۔ جو انتہائی عظیم المرتبت ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد تھوڑی ہی ہے۔ (26)

5۔ (تمام علوم کے اساسی اصول اور ان کے بنیادی قوانین کی دریافت)

ان علوم میں سے شاہ صاحبؒ کا ایک اہم ترین علم وفن یہ ہے کہ گزشتہ تمام علوم کے اساسی اصول اور ان کے بنیادی قوانین آپؒ نے دریافت کیے ہیں۔ یہ وہ علم ہے کہ جسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بہت عمدہ طریقے سے مہذب اور مدوّن کیا ہے۔ اور اس کے بنیادی اصول وضوابط اور فکر وفلسفے کا خلاصہ بہت مربوط اور مختصر انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اس میں ایسی مجتہدانہ گفتگو کی ہے کہ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ اس علم کے بانی ہیں۔ اور اس کا بنیادی دائرۂ کار اور خاکہ تخلیق کرنے والے ہیں۔

(الف) (اصولِ تفسیر کا تعین)

جہاں تک اصولِ تفسیر کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں آپؒ کی کتاب ''**الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**'' ہے۔ یہ کتاب بہت سے مفسرین کے لیے اس فن میں آپ کی مہارت پر شاہدِ عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ فنِ تفسیر کی تحقیق و تدقیق میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں:

(i) تفسیر کے اہم مسائل اور بنیادی اصولوں کی نشان دہی کی ہے۔

(ii) علم تفسیر کا پُرمغز خلاصہ مختصر جملوں میں بیان کیا ہے۔

(iii) قرآن سے ثابت شدہ منصوص علوم پر گفتگو کی ہے۔

(iv) ''**مشکلات القرآن**'' (قرآن کے مشکل الفاظ اور جملوں) کی بہترین توجیہ و تعبیر کی ہے۔

(v) ''**غریب القرآن**'' (قرآن میں آنے والے اجنبی الفاظ) کی بہترین شرح کی ہے اور اس کے ''**معضلات**'' (مشکل مقامات) کا حل پیش کیا ہے۔

(vi) صحابہؓ اور تابعینؒ کی تفاسیر کی تہذیب و تنقیح کرتے ہوئے اُن کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی جانب صحیح رہنمائی کی ہے۔

(vii) قرآن کی منسوخ آیات اور جن آیات کے بارے میں نسخ کا دعویٰ درست نہیں ہے، کے درمیان تمیز پیدا کی ہے۔

(viii) ''**اسبابِ نزول**'' (آیات کے نزول کے اسباب) کے حوالے سے مفسرین کے تشویش میں مبتلا کرنے والے اقوال کو بہترین وضاحت کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ حال آں کہ اس سلسلے میں تاویل و تشریح کرنے والے ان مختلف اقوال میں تطبیق دینے کے حوالے سے بہت پریشان تھے۔

اس کے علاوہ علم تفسیر کی بہت سی نفیس اور عمدہ باتیں، نادر اور عجیب نکتے شاہ صاحبؒ نے اپنی اس کتاب میں بیان کیے ہیں۔

(ب) (اصولِ حدیث میں آپؒ کی مہارت)

جہاں تک اصولِ حدیث کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کا دامن بڑا وسیع ہے۔ آپؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے، کہ:

> ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس سلسلے میں اتنے بے شمار دائروں میں تحقیقات ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی بھی آپ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آپ نے اتنی باریک بینی سے عمدہ دلائل اور نکتے بیان کیے ہیں کہ کسی کا قدم وہاں تک نہیں پہنچا۔'' (27)

www.rahimia.org

جو آدمی ان دونوں علوم یعنی اصولِ تفسیر اور اصولِ حدیث میں حضرت شاہ صاحبؒ کی لکھی ہوئی کتابوں کی تحقیق و تفتیش کرے اور پھر اس کی نظر و فکر ان کتابوں تک پہنچے، جو ابوعبدالعزیز (یعنی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے ان دونوں علوم کے حوالے سے جمع کی ہیں یا مرتب اور مدوّن کی ہیں، وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ کتابیں علوم کے نشے میں ہمیشہ سرشار رہنے والوں کے لیے انتہائی لذت آگیں ہیں۔

(ج) (اصولِ فقہ میں آپؒ کا بلند مرتبہ)

جہاں تک اصولِ فقہ کا تعلق ہے، پس آپؒ کو اس کا جوہر اور خلاصہ عطا کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؒ علم فقہ کے حوالے سے ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپؒ نے اس کے (بکھرے ہوئے) تمام موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ اور اس کے تمام فائدوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ چناں چہ آپؒ نے اس فن کی نوک پلک درست کر کے اسے مہذب اور مدوّن کر دیا۔ اور تمام آئمہ دین، خواہ ان کا تعلق اصحابِ رائے اور اہل قیاس سے ہو یا اصحابِ حدیث اور فقہائے محدثین میں سے ہوں، ان کے مختلف مذاہب کی اصولی باتوں کی آپؒ نے شرح بیان کی ہے۔ اور مختصر ترین الفاظ پر مشتمل عبارتوں میں انھیں بہترین انداز میں جمع کر دیا، جن کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ انھوں نے جدل و مناظرے کے اُمور اور واضح فقہی اصول کے درمیان بھی فرق بیان کر دیا۔ اور استنباط و استخراج کی تمام وجوہات کو تمام تر کثرت کے باوجود دس قسموں میں بند کر دیا۔ اور پھر ان میں بھی ترجیح کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کی نشان دہی کر دی ہے۔ (28)

اللہ تعالیٰ انھیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کا ذوق ختم ہونے کے باوجود ان علوم کی عظمت اور روشنی کے منار کو مزید بلند کر دیا ہے۔

6۔ (عقائد اور اصولِ دین کے علم میں مہارت)

ان علوم میں سے عقائد اور اصولِ دین کا علم بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سلفِ صالحین کے بنیادی عقائد کا سیدھا راستہ واضح کیا۔ بعد میں آنے والے لوگوں کے اقوال کی وجہ سے اس علم میں جو ملاوٹ ہو چکی تھی، آپؒ نے اُسے دور کر کے اصل بنیادی اور خالص عقائد کی نشان دہی کی۔ آپؒ نے اس سلسلے میں مسلمانوں کی اختیار کردہ آرا میں سے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے لازم کیے ہوئے دینی عقائد کو، لوگوں کے اپنے فکر و نظر سے اختیار کردہ عقائد سے الگ کر کے بیان کیا۔ انھوں نے اس بات کی نشان دہی بھی کی کہ کیسے معقول اور منقول کے درمیان تطبیق پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور کیسے ظلمتوں اور اندھیروں کے دائروں سے نجات پا کر روشنی اور نور کی طرف جایا جا سکتا ہے۔

آپ نے فلسفیوں کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا جواب بھی دیا۔ اور معتزلہ کے وہم و گمان کی بنیاد

پر اختیار کیے گئے عقائد کا قلع قمع بھی کیا۔ اور رافضی شیعوں کو خاموش کرا دینے والا جواب دیتے ہوئے بڑی تفصیلی بحث کی۔ اور ان کی جانب سے امت کی اجتماعی طاقت کو توڑنے کا رد کیا ہے۔ اور انھوں نے جو غلط عقائد پر مشتمل بلند و بالا خیالی قلعے تعمیر کیے ہوئے تھے، انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ انھوں نے جتنی بھی پختہ رکاوٹیں کھڑی کی ہوئی تھیں، ان کا خاتمہ کر دیا۔

عقائد اور اصولِ دین کے اس فن میں انھوں نے ایسے ایسے اسرار و رموز بیان کیے کہ کئی زمانے گزرنے کے بعد بھی ایک دو افراد کے علاوہ کسی کی ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اور وہ بھی جسے ربّ تعالیٰ اس کے لیے منتخب اور پسند کر لے۔ اس لیے کہ اہلِ سنت میں سے علم عقائد اور اصول پر جس نے بھی گفتگو کی ہے، وہ یا تو کوئی صرف حدیث کا علم رکھنے والا ایسا فرد تھا کہ جس نے صرف عقائد کے ظاہری پہلو کی خرابی کا ردّ کیا۔ یا وہ علم کلام کا ایسا ماہر تھا، جس نے اپنی عقل اور رائے سے محض عقلی گہرائیاں بیان کیں۔ اور اسی میں غرق ہو کر رہ گیا۔ یا وہ فقہ کا ایسا عالم تھا، کہ جس نے مذکورہ بالا دونوں طریقوں کی درمیانی راہ اختیار کی۔ یا وہ ایسا صاحبِ ذوق تھا، کہ جو کچھ اس کے قلب پر روشن ہوا، اسی پر وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

شاہ ولی اللہؒ ایک ایسے فرد ہیں، جن کے سینے میں اللہ نے ان تمام لوگوں کے مختلف علوم جمع کر دیے تھے۔ انھوں نے ہر ایک صاحبِ علم کی کمزوری کو دوسرے علم کی طاقت سے دور کر دیا۔ اور اس کے خلل اور خرابی کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا۔ اور تمام طریقوں کو جمع کر کے علم عقائد اور اصول دین کو تمام غلط خیالات اور گدلے پن سے نکال کر صاف و شفاف اور واضح کر دیا۔ ایسے معاملات میں جہاں رائے اور فکر و نظر کا پہنچنا ممکن نہیں سمجھا جاتا، وہاں بھی نظر و فکر کی گنجائش پیدا کر کے انھیں بیان کر دیا۔ اس طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایسا طریقۂ کار اپنایا، جو ہدایت کی تمام نمایاں علامات کا جامع بن کر سامنے آیا۔ آپ کے طریقے سے زیادہ واضح اور کوئی طریقہ نہیں۔ آپ کی تحقیقات سے زیادہ بہتر اور کوئی تحقیق نہیں کہ جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہو۔

7۔ (حقائق و معارف اور سلوک و طریقت کے آداب کا علم)

ان علوم میں سے سلوک اور طریقت کے آداب اور حقائق و معارف کا علم ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپ پر کائنات کے سچے اُمور کی تجلیات ظاہر ہوئیں۔ اور ملکوتی انوارات کے عکس پڑے۔ اللہ نے آپؒ کو انتہائی پاکیزہ نفس اور قوتِ قدسیہ عطا فرمائی تھی۔ ظاہری طور پر جو بھی اللہ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور جو حقائق و معارف کو جذب کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اس پر معارف کی موسلا دھار بارش کا فیضان کرتا ہے۔ پس آپؒ کی زبان سے بہتر کوئی زبان ایسی نہیں، جو حقائق و معارف کو بیان کرتی ہو۔ اور حقائق و معارف کی پرکھ اور اس کی حقیقی نوعیت کو جانچنے کی

کوئی ترازو ایسی نہیں، جو آپؒ کے ترازو اور میزان سے بہتر ہو۔

یہ اس لیے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تینوں طریقوں یعنی نقل، فکر و عقل اور ذوق و وجدان کے جامع تھے۔ چناں چہ حقائق و معارف اور سلوک و طریقت کا کوئی بھی مشکل اور گہرا راز جب بھی آپؒ کے سامنے آتا تو آپؒ اس کی صحت کو اسی وقت تسلیم کرتے تھے کہ جب وہ معقول و منقول اور مکشوف کی بنیاد پر درست ثابت ہوتا۔ اور اس کی بنیاد ان تینوں حوالوں سے مضبوط ہوتی۔ اور اس کی خصوصیات کی وضاحت اصولوں کے واضح دلائل سے ظاہر ہوتی۔ اس علم و فن میں آپؒ کی (بہت سی) کتابیں ہیں اور آپ کے شاگردوں کی اسی انداز میں لکھی ہوئی کتابیں بھی ہیں۔ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے، اس پر یہ کتابیں سب سے بڑی دلیل ہیں۔ اس طرح جیسے آسمان کے اُفق پر سورج چمکتا ہے۔

سلوک و آداب کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے مسلک کو بڑی وضاحت اور شرح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور چاروں سلسلوں کے آدابِ طریقت بڑی عمدہ زبان میں بیان کیے ہیں۔ ان کی اہم باتیں، جو ختم ہو کر رہ گئی تھیں، انھیں دوبارہ زندہ کیا۔ یہ بات ان کتابوں پر نظر رکھنے والے پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی مشہور ترین تصنیف ''**القول الجمیل (فی بیان سواء السبیل)**'' ہے۔ جو بہت سے لوگوں کے لیے شفا ہے۔ اور طالبِ حق کے لیے بڑی عمدہ رہنما ہے۔...الخ

شیخ محسن یمانیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''جو کچھ آپ کے علوم کے حوالے سے بیان کرنے کی مجھے توفیق ہوئی، یہ وہ باتیں ہیں، جن سے میں واقف ہوں اور جن کو میں نے یہاں بیان کرنا پسند کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کو ان تمام علوم کے عمدہ اور نفیس پہلوؤں پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ اور ان کی تفصیلات پر انھیں پورا عبور حاصل تھا۔ اور ان کے تمام جزوی پہلوؤں کی تحقیق اور اساسی اصولوں کی تعیین میں آپ نے انتہا درجہ جد و جہد اور کوشش کی تھی۔ یہ کد و کاوش کچھ ایسے انداز میں انھوں نے کی کہ کوئی اس سلسلے میں اس کے قریب تک بھی نہ پہنچ سکا۔ نہ آپ کے زمانے میں اور نہ آپ کے بعد، مگر جس کے بارے میں اللہ چاہے۔ اور پہلے زمانوں میں بھی بہت کم لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جن سے آپؒ کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔'' (29)

فصل (4) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی منفرد خصوصیات)

شیخ محسن یمانیؒ کہتے ہیں:

''میں یہ بات نہیں کہتا کہ: اس کرۂ ارض پر شاہ ولی اللہؒ کے ہم عصر یا گزشتہ قریب زمانے کے علما

میں سے کوئی آدمی بھی علوم میں ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ بے شک کرۂ ارض کے بہت سے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے، جو علوم و اَفکار سے بھرا ہوا ظرف اور حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ دین کی حفاظت کرنے والے تھے۔ اور انبیا علیہم السلام کے علوم کے امین تھے۔ رُشد و ہدایت اور یقین کے راستوں کی بڑی علامات میں سے تھے، لیکن امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان تمام علما میں سے چند اُمور میں ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اور درجِ ذیل چند بنیادی اَخلاق و خصوصیات میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں:

(پہلی خصوصیت؛ علوم کے تمام شعبوں کی تحقیق و تدوین)

ان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ گزشتہ تمام علوم وفنون وغیرہ اُن کے سینے کی وسعتوں میں جمع ہو گئے تھے۔ اور انھیں ان علوم میں بہت زیادہ مہارت اور صلاحیت و پختگی حاصل تھی۔ انھوں نے ان علوم کا ایسے انداز میں تحلیل و تجزیہ کیا ہے، جو صرف اونچے درجے کے محدثین اور ناقدین ــــ جو اپنے مرتبے میں بہت عظیم الشان ہیں ــــ کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے علوم کے تمام ابواب کا خلاصہ بیان کیا۔ اور ان کے پُرمغز اور اہم مسائل کو ذیلی اور ضمنی مسائل کے چھلکوں سے علاحدہ کر کے چھان پھٹک کر صاف شفاف بنا دیا۔ اور اپنے شاگردوں کے لیے علوم کے تمام طریقوں کی واضح شاہراہ متعین کر دی۔

(دوسری خصوصیت؛ اساسی مسائل کا تعین اور بنیادی دلائل کی نشان دہی)

علوم کے مسائل کی اساسیات کا تعین کیا۔ اور مختصر اور عمدہ عبارتوں کی صورت میں ان کے دلائل کی نشان دہی کی۔ اس سلسلے میں عجیب و غریب لطیف اشارات بیان کیے۔ اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کا دامن پکڑ کر اِدھر اُدھر بھٹک جانے والوں اور غلطیاں کرنے والوں سے کسی طرح کی عصبیت رکھے بغیر اور ان پر کوئی الزام لگائے بغیر حق بات کو بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کیا۔

(تیسری خصوصیت؛ رائے کی پختگی اور ذہانت و فطانت)

حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ کا فہم و شعور بڑی گہرائی لیے ہوئے تھا۔ اور رائے کی پختگی بڑی مضبوط تھی۔ وہ اپنے زمانے کے انسانوں میں سب سے زیادہ ذہین اور زکی انسانی تھے۔ آپؒ کی رائے علوم و افکار کے میدان میں انتہائی درست اور صحیح ہوتی تھی۔ پھر اللہ نے انھیں یہ فضیلت دی تھی کہ انھیں بہت سے وہبی علوم عطا کیے تھے۔ جو ان کے دیگر علوم کے ساتھ باہم ملے ہوئے تھے۔ اور وہ اتنے علوم ہیں کہ جنھیں ایک جگہ جمع کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(چوتھی خصوصیت؛ اختلافی مسائل کا درست فہم اور مختلف آرا میں تطبیق کا فن)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخصوص وقت میں اُن کے قلب میں ایک ایسے میزان (کسوٹی) کا القا کیا تھا

کہ جس کے ذریعے سے وہ ملتِ محمدیہؐ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ و التسلیمات میں پیدا ہونے والے ہر اختلاف کا سبب معلوم کر لیتے تھے۔ اور انھیں اس کا بھی علم ہو جاتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان میں سے حق کیا ہے۔ اور انھیں اس بات پر قدرت بھی حاصل تھی کہ وہ اس کو ایسے بہترین اور عمدہ انداز میں بیان کر دیں، کہ جس سے تمام شکوک و شبہات اپنے تمام تر ذیلی اثرات کے ساتھ ختم ہو جائیں۔

اس سلسلے میں خاص طور پر ایک مثال اور نمونے کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ جب اُن سے صحابہؓ کے باہمی اختلاف اور خاص طور پر اُن کے بعد آنے والے فقہا کے درمیان فقہی احکام میں اختلاف کے بارے میں سوال کیا گیا ـــــ یہ مسئلہ اُن کے علم کے اس شعبے سے تعلق رکھتا ہے، جس کا نام ''علم التطبیق بین آراء الناس'' (لوگوں کی مختلف آرا کے درمیان تطبیق دینے کا علم) ہے ـــــ تو انھوں نے فقہا کے تمام نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیا۔ اور کمزور آرا میں سے صاف اور درست رائے کو علاحدہ کر لیا۔ اور شکوک و شبہات پیدا کرنے والی بحث میں سے واضح طور پر حق والی بات کو الگ کر لیا۔ اور وہ سمجھ گئے کہ کون سا پہلو ہے کہ جہاں غلطی کرنے والے نے غلطی کی ہے۔ اور زیرِ بحث مسئلے کے بنیادی ہدف سے اُس رائے میں کتنے درجے کا انحراف پایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں آپؒ کے ذہین ترین ذہن نے اختلافی مسائل میں جو تطبیقات پیش کی ہیں، ان میں سے چند ایک اُن کے صاحبزادے امام شاہ رفیع الدینؒ نے اپنی ایک مختصر کتاب (تکمیل لصناعۃ الاذھان) میں بیان کی ہیں۔

(پانچویں خصوصیت؛ احکامِ شرعیہ کی حکمتیں اور ان کے اسرار و رموز کا بیان)

ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؒ کے سینے میں نور کی ایسی موسلادھار بارش برسائی تھی کہ جس کے ذریعے ان کے سامنے شریعت کے رُموز و اَسرار کے بہت سے پہلو کُھل کر سامنے آ گئے۔ اور شریعت کی عجیب و غریب اور گہری حکمتوں کا واضح اظہار ہوا۔ پھر اللہ نے آپؒ کا سینہ کھول دیا کہ آپؒ ان رُموز و اَسرار اور گہری حکمتوں کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کر دیں۔ چناں چہ آپؒ نے بہترین انداز میں اپنی کتاب ''حجۃ اللّٰہ البالغہ'' میں انھیں بیان کر دیا۔ اور شریعتِ محمدیہؐ کے احکامات کے بہت سے چُھپے ہوئے محاسن اور عمدہ پہلوؤں کو کھول کر واضح کر دیا۔ اور اس حقیقت کی نشان دہی کی کہ تمام قوانین اور شرائع کے درمیان شریعتِ محمدیہؐ کی جامعیت کا حسن اس درجہ ہے کہ جس کی تعریف و توصیف بیان نہیں کی جا سکتی۔

خیر اور بھلائی کی رغبت رکھنے والا کوئی فرد شاہ ولی اللہؒ جیسے لوگوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ان

www.rahimia.org

کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ: وہ اُمتِ محمدیہ علٰی نبیّھا اُلوف من السّلام و التّحِیّہ کے فلاسفہ اور حکما میں انتہائی مہارت رکھنے والے بہت اونچے درجے کے فلسفی اور حکیم ہیں۔

آپؒ کے بہت سے فضائل وخصوصیات میں سے یہ چند خصوصیات ہیں۔ آپؒ کی خصوصیات اور عمدہ آداب میں سے بہت سی باتیں بیان کرنا ابھی باقی ہیں۔ میرے اس مقالے میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ویسے میرا یہ قلم انھیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام عمدہ خصلتوں، خصوصیتوں اور حکمتوں کے جامع تھے۔ اور بے شمار اور مختلف پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر

أن یجمع العالَم فی واحد

''اللہ پر یہ کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ پورے عالم کو ایک آدمی میں جمع کردے۔'' (30)

فصل (5) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم تصانیف)

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک آپؒ کی مختلف علوم وفنون میں بہترین اور عمدہ تصانیف کا حال ہے، تو وہ بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے مشہورترین کتابیں درجِ ذیل ہیں:

1۔ آپؒ کی مشہور کتابوں میں ایک کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' ہے۔

2۔ فقہ الحدیث میں آپؒ کی کتاب ''المسوّٰی'' ہے۔ جس میں:

(الف) آپؒ نے ''مؤطا'' کی احادیث کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے، تاکہ باب سے متعلقہ ہر حدیث کو لینا آسان ہو جائے۔

(ب) پھر ہر حدیث کے ذیل میں جمہور علما کے مستنبط کردہ مسائل بیان کیے ہیں۔

(ج) اسی کے ساتھ قرآن عظیم سے ایسے دلائل بیان کیے ہیں، جن کا ایک فقیہ کے لیے یاد کرنا اور ان کی تفسیر معلوم کرنا ضروری ہے۔

(د) پھر ہر باب میں صرف شافعی اور حنفی مذاہب کو بیان کیا ہے۔ ان دو کے علاوہ عام طور پر دیگر مذاہب کو بیان نہیں کیا، تاکہ عمل کرنے والوں کے لیے ان سے استفادہ کرنا آسان رہے۔ البتہ چند مقامات ایسے ہیں، جہاں نکات کی تشریح بیان کرتے ہوئے دیگر مذاہب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

www.rahimia.org

(ھ) اسی طرح آپؒ نے بہت لطیف اشارات کے ذریعے اُن مقامات کی بھی نشان دہی کی ہے، جہاں آئمہ فقہا نے صریح اور صحیح حدیث کی بنیاد پر امام مالکؒ کی رائے پر گرفت کی ہے۔
(و) جہاں غریب اور اجنبی الفاظ کی شرح اور مشکل الفاظ کی درست نشان دہی کی ضرورت تھی، ان کے لغوی یا فقہی معنی بیان کر کے وضاحت کر دی ہے۔
(ز) اسی طرح کسی شرعی حکم کی علت اور اُس کے اقسام کو بھی بیان کیا ہے۔
(ح) فریقین کے نزدیک احادیث کی تاویل اور اس سے متعلقہ دیگر معاملات کی بھی نشان دہی کی ہے۔

غرض یہ کہ آپؒ کی یہ کتاب اس باب (فقہ الحدیث) کی تمام درج ذیل عمدہ اقسام کی جامع ہے:
(الف) قرآنِ حکیم کی نصوص سے اخذ شدہ فقہی مسائل
(ب) اصولِ حدیث کی روشنی میں صحیح طور پر روایت کردہ احادیثِ مشہورہ
(ج) جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کے متفقہ مسائل
(د) امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے مستنبط کردہ مسائل
(ہ) فقہائے محدثین کی جماعتوں کے اخذ کردہ مسائل

3۔ آپؒ کی ایک اہم کتاب ''المصفّٰی'' ہے۔ جس میں آپؒ نے (فارسی زبان میں) ''مؤطا'' کی بڑی عمدہ شرح بیان کی ہے۔ اور اس کے مخفی اَسرار و رُموز کو بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

4۔ ان کتابوں میں سے ''شرح تراجم الجامع الصحیح للبخاریؒ'' ہے۔ چناں چہ حضرت شیخ اسحاقی (یعنی ہمارے شیخ، (شیخ الہندؒ) کے شیخ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ) نے اپنے مقدمے کے شروع میں اس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آپؒ کے نئے اور منفرد طریقے کی نشان دہی کرتی ہے۔

5۔ آپؒ کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ''إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' ہے۔ آپؒ نے اس میں کتاب و سنت اور آئمہ اہل بیت اور اجماعِ امت کے ہزاروں دلائل اور اقوال جمع کر دیے ہیں، جن کی طرف صحیح بات سننے والے ضرور متوجہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کتاب کے بعض اہم نکات کی تشریح آپؒ کے صاحبزادے (حضرت شاہ) عبدالعزیزؒ نے اپنی کتاب ''تحفة (إثنا عشرية)'' میں کی ہے۔ اور عام لوگوں کے لیے آپؒ کے بیان کردہ بہت سے فوائد کی تفصیل و تشریح کی ہے۔'' (31)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''میں نے شیخ اجل ابوالعُلا (مولانا فضل حق خیر آبادی) عمری سے سنا ہے، جب کہ ہم ''الور'' شہر میں تھے، (32) اور ان کے ہاتھ میں کتاب ''إزالة الخفاء'' کا نسخہ تھا، اور آپؒ بہت زیادہ توجہ کے ساتھ اس کتاب کو پڑھا کرتے تھے، اور بار بار اس کا مطالعہ کرتے تھے، جب اس کے درس سے فارغ ہوئے اور اس کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرلیا اور اس کی بہت سی نئی باتوں سے واقف ہوئے تو انھوں نے لوگوں کے ایک بہت بڑے اجتماع میں، جس میں مَیں خود موجود تھا، فرمایا کہ:

''بے شک جس آدمی نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ علم کا موجیں مارتا ہوا ایسا سمندر ہے، جس کا کوئی کنارا نہیں۔'' (33)

6۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب ''حجة الله البالغه'' ہے۔ جو شریعتوں کی حکمتوں اور حدیث کے اَسرار کے بیان میں ہے۔

7۔ ایسے ہی ایک کتاب ''القول الجميل فی بيان سواء السبيل'' ہے۔ جس میں علم سلوک سے متعلق افادات کو انھوں نے جمع کیا ہے۔

8۔ آپؒ کی ایک اور کتاب ''الإنتباه فی سلاسل أولياء الله'' ہے۔ یہ ایک عمدہ کتاب ہے، جس کی طرف ہمتِ مردانہ رکھنے والے لوگ بڑی رغبت کا اظہار کرتے ہیں۔

9۔ اسی طرح ایک کتاب ''الإرشاد إلى مهمّات علم الأسناد'' ہے۔

ایسے ہی آپؒ کے افادات پر مشتمل درجِ ذیل چند کتابیں ہیں:

10۔ الدّرّالثّمين

11۔ فيوض الحرمين

12۔ أنفاس العارفين

13۔ تأويل الأحاديث فی رُموز قصص الأنبياء و المرسلين

14۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب ''الخير الكثير'' ہے۔ جس کا لقب ''خزائن الحكمة'' ہے۔ جس میں آپؒ نے صوفیا کے معارف کا نچوڑ اور اُن کے باطنی ذوق کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ اور صوفیا کے علوم کے بہت سے مخفی پہلوؤں کو کھولا ہے۔ اور ان کے مشکل مقامات کی پردہ کشائی کی ہے۔

15۔ ایسے ہی ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب ''التفهيمات الإلٰهية'' ہے۔ جو علم حقائق کے بیان میں ہے۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ:

''یہ آپؒ کی عمدہ تصانیف میں سے ہے۔''

اور امام شاہ ولی اللہؒ سے حکایت ہے، انھوں نے اپنی اس کتاب میں فرمایا کہ:

www.rahimia.org

''میں نے گزشتہ رات امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ: ''تو ہمارا بھائی ہے۔ اور ان اوراق میں تونے جو کچھ لکھا ہے، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔''(34)

شاہ ولی اللہؒ کی تمام تصانیف بہت زیادہ ہونے کے باوجود انتہائی سلیقے اور مرتّب انداز میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اوّل سے آخر تک بہت شیریں اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ ان کا مطالعہ کرنے والا جتنی دفعہ بھی انھیں پڑھتا ہے تو اتنے ہی زیادہ فوائد اس کے سامنے آتے ہیں۔ گویا کہ ان کتابوں کے بارے میں تعریف کرنے والوں کا یہ قول کہا جاسکتا ہے:

يـزيـدک وجهـهٗ حسـنًـا إذا مـازدتّـهٗ نظرًا

''جب تو اُسے بار بار دیکھتا ہے، تو تجھے اس کے چہرے کا حسن مزید بڑھا ہوا نظر آئے گا۔''(35)

فصل (6) (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مشاہیر علما کی نظر میں)

شیخ محسن یمانیؒ کہتے ہیں کہ:

''حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعریف، بہت سے اونچے درجے کے جلیل القدر علمائے کرام نے کی ہے۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی نظر میں)

ان میں شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''تحفه (إثنا عشريه)'' میں کہا ہے:

''یہ جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شان میں کہا گیا ہے، بالکل درست بات ہے کہ: وہ ''آية من آيات الله و معجزة من معجزات نبيّهٖ صلّى الله عليه وسلّم'' (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک اہم ترین نشانی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں) تھے۔

(شیخ نعیم اللہ بہرائچیؒ کی نظر میں)

شیخ اجل، فقیہ محدث، عارفِ کامل شیخ مظہر جانِ جاناں علوی دہلویؒ کے تربیت یافتہ عالم شیخ نعیم اللہ بہرائچیؒ نے فرمایا ہے:

''اللہ تبارک و تعالیٰ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی روح کو مقدس بنایا ہے۔ آپؒ اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع تھے۔''

(حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی نظر میں)

انھوں (شیخ بہرا یحییٰؒ) نے اپنے شیخ (حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ) کے حوالے سے بیان کیا کہ:

''وہ اکثر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بلند مرتبہ ایسے فضائل و کمالات بیان کیا کرتے تھے کہ جن کا تذکرہ اس مقام (عام لوگوں کے سامنے) نہیں کیا جاسکتا۔''

ایسے ہی شیخ غلام علی دہلویؒ —— جو کہ اُن کے جانشین اور اہم ترین خلفا میں سے تھے —— سے یہ روایت ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کہا کرتے تھے کہ:

''شیخ ابوعبدالعزیزؒ (شاہ ولی اللہؒ) بڑے محدث ہیں، جنھوں نے ایک تجدیدی طریقۂ کار اپنایا ہے۔ نیز مشکل علوم اور معارف کے اَسرار کی تحقیق میں ایک خاص طرز اپنایا ہے۔ اور آپؒ علما میں سے ایک ربانی عالم تھے۔ آپؒ ایسے صوفیائے محققین میں سے ہیں، کہ جنھوں نے علم ظاہر اور علم باطن کو جمع کیا۔ اور نئے علوم کی تحقیق و تدوین کی ہے۔ شاید کہ ان جیسا آدمی سوائے گنتی کے چند ایک افراد کے اور کوئی نہ پایا جاتا ہو۔ واللّٰه أعلم'' (36)

(شیخ محسن یمانیؒ کی نظر میں)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''شاہ ولی اللہؒ پر اعتراض کرنے والا جاہلوں میں سب سے بڑا جاہل ہے۔ اور اس کے دل میں ایسی بیماری ہے، جس کے علاج کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اور اس بیماری سے اس کی آنکھیں اتنی اندھی ہوچکی ہوں کہ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا کہ اللہ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو علومِ دینیہ میں بڑا بلند مرتبہ خصوصی طور پر عطا کیا ہے، اور ان کے ہاتھوں یقینی علوم کے درس و تدریس کا کام دنیا بھر میں پھیلا ہے، اس سلسلے میں آپؒ نے انتہا درجے کی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ آپؒ مجتہد فی المذہب کے مرتبے پر پہنچے۔ اور بہت سی الجھی ہوئی باتوں کو کھول کر بیان کرنے کی مشقت برداشت کی ہے۔'' (37)

شیخ محسن یمانیؒ مزید لکھتے ہیں:

''شیخ ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ) اگرچہ علما میں سے منفرد خصوصیات کے حامل افراد میں سے تھے، لیکن آپؒ کا شمار امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے صاحبینؒ کے مذہبِ نعمان کے مطابق حنفیّین میں سے ہوتا تھا۔ جیسے چاروں محمدیّین اصحابِ شافعیؒ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ اور حافظ ابن عبدالبرؒ اور ابن العربیؒ اور شیخ لخمیؒ، امام مالکؒ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ حال آں کہ ان تمام حضرات کے دونوں مذہبوں (مذہب شافعیؒ اور مذہب مالکؒ) میں تفرد پر مبنی اقوال بے شمار ہیں۔'' (38)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''شیخ ابو عبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ) نے علم کے ایسے طریقوں کی جانب رہنمائی کی، جو بہت زمانے سے چھوڑے جا چکے تھے۔ اور جمود کی شکار ایسی طبیعتوں میں تحریک پیدا کی، جو بہت زمانے سے ٹھہری ہوئی تھیں۔ یہ بات کمزور لوگوں پر بڑی بھاری گزری۔ ان کے چہرے تنگی اور ملال میں مبتلا ہو گئے۔ اور مخالفت میں کالے سیاہ ہو گئے۔ چناں چہ وہ اپنے ہی کمزور خیالات کے ٹھہرے پانی میں ڈبکیاں لگانے لگے۔ اور اپنی ہی بے ہوشی کی وادیوں میں چکرانے لگے۔ ان کے وہ اعتراضات، جو انھوں نے شاہ صاحبؒ پر کیے، اور ان کے جن اقوال پر نکتہ چینی کی، وہ ایسے منفرد اقوال نہیں تھے کہ محققین میں سے کسی نے بھی ان کی موافقت نہ کی ہو۔ حال آں کہ ہمیشہ علما میں سے اونچے درجے کے محققین اور فقہا میں سے بلند مرتبت لوگ ایسے ہی تحقیقی مذہب رکھا کرتے ہیں۔ اور اسی مشرب کو اختیار کیا کرتے ہیں۔ ان کے مقاصد و اَہداف بھی یہی تھے۔ اور وہ لوگ بھی ان مقاصد کے حصول کے لیے اسی طرح جدوجہد کرتے تھے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ پر تنقید کا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ اور یہ صرف آپؒ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ جو آدمی بھی بلند درجہ معزز لوگوں کے راستے پر چلتا ہے، اس پر کون سا عتاب و ناراضگی ایسی ہے کہ نہ آئی ہو۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

و عیّرنی الواشون أنّی أحبّها
و تلک شکاة ظاهر عنک عارُها

''نکتہ چینی کرنے والے مجھے بڑی شرم دلاتے ہیں کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ یہ ایک ایسی شکایت ہے، جس کا تیری طرف سے ظاہر ہونا بھی شرم کا باعث ہے۔'' (39)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؒ کے ذریعے سے علم کو سر بلند کیا ہے۔ اور اس کی عزت کو روشن کیا ہے۔ ان کے نفس قدسیہ سے علم کے چراغ کی لو تیز تر ہوئی ہے۔ اور آپؒ کی وجہ سے علوم کے انوار روشن ہوئے ہیں۔ آپؒ کے ہاتھ سے علم کے مٹے ہوئے نشانات کی تجدید ہوئی ہے۔ اور آپؒ کی جدوجہد سے علم کے بلند مقامات کی اصلاح ہوئی ہے۔ بے شک حدیث، اس میں پورا تفقّہ و شعور اور سلوک و طریقت اور اس کے مفاہیم کی پوری مہارت اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ تمام مسالک کے درمیان ایک نئی شاہراہ نہ کھولی جائے اور تحقیق کا راستہ نہ اختیار کیا جائے۔

جس نے ابھی تک شاہ صاحبؒ کی اتباع اختیار نہیں کی، اسے اور اس جیسوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ وہ ادب و احترام کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ کے متبعین میں شامل ہو جائے۔ ورنہ شاہ صاحبؒ کی بے ادبی سے (اللہ کے سامنے) کسی سفارش کرنے والے سے بھی محروم ہو جائے گا۔'' (40)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ) کی قبر بڑی مشہور ہے۔ قدیم شہر دہلی (محلّہ مہندیان) میں ان کی مسجد کے پہلو میں قبلے کی طرف بائیں ہاتھ آپؒ کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے۔ اور یہی وہ جگہ ہے، جہاں اُن کا اپنا قیام رہا ہے۔ اور شیخ عبدالعزیزؒ اور ان کے گھر کے دیگر افراد ان کے گھر کے قریب دفن ہیں۔ اللہ نے مجھ پر بڑا انعام کیا کہ میں ان کے مزارات کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔

اللہ تعالیٰ ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اور ان کی جماعت کے اہم ترین لوگوں سے راضی ہوجائے۔ اور ان کی کرامت کا وافر حصہ اللہ اپنے معزز بندوں کو عطا کرے۔ اور میری جانب سے انھیں بہت اچھی جزا اور بدلہ عنایت کرے کہ وہ مسلمانوں کے آئمہ میں سے ایک بہت بڑے امام تھے۔ اللہ مجھے ان کی معیت میں متقین اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں جمع کرے۔ اور ان کا حشر انعام یافتہ جماعت انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے زمرے میں کرے۔ ان کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے۔

والحمد لِلّٰہ ربّ العالمین. (سب تعریفیں اسی اللہ رب العالمین کی ہیں)'' (41)

ان چار فصلوں کے ضمن میں ''الیانع الجنی'' کی منتخب عبارتیں یہاں پر مکمل ہوگئیں۔

(شیخ محسن یمانی کی تحریر پیش کرنے کا مقصد)

ہم نے شیخ محسن یمانیؒ کی طویل ترین عبارت یہاں پر بیان کی ہے، تاکہ ہم اپنے دیوبندی بھائیوں کو متنبہ کرسکیں کہ وہ اپنے آئمہ کے علوم کو زندہ کرنے کے لیے پوری ہمت کے ساتھ جدوجہد کریں۔ اور ان کی سیرت و سوانح کا پورا اتباع کریں۔ اس لیے کہ یہ کتاب ''الیانع الجنی'' دیوبندی جماعت کے اماموں میں سے ایک امام کی فرمائی گئی باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ میری مراد اس سے امام عبدالغنی بن ابوسعید دہلوی مدنیؒ ہیں۔ وہ ہمارے تمام دیوبندی مشائخ، جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ العلام مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور ہمارے استاذ مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبند رضی اللہ عنہم کے اساتذہ اور مشائخ میں سے ہیں۔

جب بھی ہم کوئی بات حضرت شیخ محمود حسن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، تو وہ ایسی بات ہوتی ہے، کہ جس کی موافقت ہمارے تمام مشائخ کرتے ہیں۔ و اللّٰہ الموفّق و الھادی

فصل (7) امام ولی اللہ دہلویؒ کا الہامی طور پر ہندوستانی تحریک کی تجدید کے لیے تقرر

امام ولی اللہ دہلویؒ ''فیوض الحرمین'' میں فرماتے ہیں:

''میں نے خواب کی حالت میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں ''قائم الزمان'' ہوں۔ اس سے میری

www.rahimia.org

مراد یہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر اور بھلائی کا نظام قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا۔

میں نے دیکھا کہ کافروں کا حکمران مسلمان ملکوں پر تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ اُن کے مالوں کو لوٹتا ہے۔ اور انھیں غلام بنا لیتا ہے۔ اُس نے ''اجمیر'' شہر میں کفر کے شعائر (نظام) کو غالب کر دیا۔ اور اسلام کے شعائر (اور نظام) کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اللہ کی پناہ۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ زمین والوں پر شدید ناراض ہوا۔ اور میں نے اس غضب کی حالت کو ملاءِ اعلیٰ میں متمثّل شکل میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے میرے نفس پر پیدا ہونے والی تاثیر کے نتیجے میں، مَیں بھی بہت غصے اور غضب کی حالت میں ہوں۔ میں اس وقت لوگوں کے ایک بہت بڑے جمِ غفیر میں ہوں۔ اور میں نے دیکھا کہ لوگ بھی میرے غصے اور ناراضگی کی وجہ سے سخت غضب ناک حالت میں ہیں۔

(نظریۂ ''فکّ کلّ نظام'' کا اعلان)

اس حالت میں انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ:

''**ماذا حکم اللّٰہ فی ھٰذہ السّاعۃ؟**'' (اس وقت اللہ کا حکم کیا ہے؟)

میں نے کہا: ''**فکُّ کلّ نظام**'' (ہر بوسیدہ نظام کو توڑنا)

لوگوں نے پوچھا: ''**إلٰی متٰی؟**'' (کب تک؟)

میں نے کہا: ''**إلٰی أن ترونی سکت غضبی**'' (یہاں تک کہ تم مجھے دیکھو کہ میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا)

پس وہ دشمن کے ساتھ باہم لڑنے لگے۔ پھر میں نے ایک شہر کا رخ کیا۔ اور اس کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اور وہاں کے ظالم لوگوں سے میں نے لڑائی کی۔ باقی لوگوں نے بھی اس سلسلے میں میری پیروی کی۔ حتیٰ کہ ہم ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کے نظاموں کو توڑتے اور انھیں تہ و بالا کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ ہم ''اجمیر'' پہنچ گئے۔

پھر میں نے دیکھا کہ کافر اور ظالم بادشاہ کو قوم نے پکڑ لیا، اس کو نیچے گرالیا اور چھری سے اسے ذبح کر دیا۔ جب میں نے خون اس کے گلے کی رگوں سے تیزی سے نکلتا ہوا دیکھا تو میں نے کہا:

> ''اب اللہ کی رحمت نازل ہوئی۔ اور سکینت ان لوگوں کے شامل حال ہوگئی، جنھوں نے اس جہاد و قتال میں حصہ لیا تھا۔ اور وہ سب اللہ کی رحمت میں شامل ہوگئے۔''

ایک آدمی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے مجھ سے ان مسلمانوں کے بارے میں سوال کیا، جو آپس کی لڑائیوں میں قتل ہوگئے۔ تو میں نے جواب دینے میں کچھ توقف کیا۔ اور واضح جواب نہیں دیا۔

میں نے یہ خواب جمعہ کی رات 21/ ذی القعدہ 1144ھ (16/ مئی 1732ء) کو (مکۃ المکرّمہ

میں) دیکھا۔'' انتھٰی ملخّصًا (42)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: اس خواب کا مصداق اور اس کی تعبیر، جنوبی ہندوستان میں عیسائی دشمنوں کا مرہٹوں کی قیادت میں ایک ملّی تحریک کی صورت میں ظاہر ہونا ہے۔ اور ان کا بہت سی ہندوستانی ریاستوں کے مراکز پر تسلط حاصل کرلینا، جیسے اجمیر وغیرہ۔ اور پھر مسلمانوں کا ان سے لڑائی لڑنا۔ اور ان کو ''دہلی'' کے قریب واقع شہر ''پانی پت'' کے معرکے (1761ء) میں شکست دینا ہے۔

(علامہ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ نے ''خزانۂ عامرہ'' میں لکھا ہے:

> ''1146ھ (1734ء) میں دکن کے علاقے سے ہندوستان کو تاخت و تاراج کرنے کے ارادے سے (مرہٹہ سردار) باجی راؤ نے پیش قدمی کی۔ امیر الامرا حسین علی خان شیعی نے 1148ھ (1735ء) میں بادشاہ کو راضی کر کے ''مالوہ'' کی صوبے داری باجی راؤ کو سپرد کردی۔ 1163ھ (1750ء) میں بالاجی راؤ گرفت میں آگیا۔ اور ذی القعدہ 1174ھ (1761ء) میں غصے کی حالت میں مرگیا۔'' اِنتھٰی (43)

اسی لیے ہم نے دسویں دور کے دوسرے طبقے کا آغاز نادر شاہ کے 1151ھ (1738ء) میں ہندوستان پر حملے سے کیا ہے۔ اور اس دور کا اختتام 1174ھ (1761ء) میں ''پانی پت'' کے میدان میں مسلمانوں کی فتح پر کیا ہے۔ اس زمانے کا سیاسی تقاضہ ''فکّ کلّ نظام'' (ہر بوسیدہ نظام کا توڑنا) تھا۔ اور ہر پُرانی تعمیر کو ختم کرنا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور طاقت ختم ہوچکی تھی۔ اس لیے نئے اجتماع کے لیے رابطے پیدا کرنا ضروری تھا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''حجة اللّٰه البالغه'' میں اس انقلاب کے بنیادی اصول مقرر کردیے تھے۔ اور ''تفهیماتِ الٰهیه'' میں ہندوستانی اجتماع (سماج) میں موجود ہر جماعت اور گروہ کو آپؒ نے تنبیہ کی۔ اس کے نتیجے میں یہ اُمرا ہوش میں آئے اور جمع ہوکر ''پانی پت'' کے میدان میں دشمن سے جنگ لڑی۔

پھر امام عبدالعزیزؒ آئے اور انھوں نے ہندوستان کے جمہور عوام کو جگایا۔ اور انھیں حکومت کے قیام کے لیے سیاسی طور پر منظّم کیا۔

تیسری نوع؛ امام عبدالعزیز بن امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تیرھویں صدی کے شروع کے مجدد اور ہندوستانی تحریک کے امام ہیں۔

فصل (1) (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حالاتِ زندگی)

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''ہمارے رہنما اور باعثِ برکت شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ، جو اپنے زمانے میں ہمارے علما کے مشائخ میں سے ہیں اور ان کے استاذ کے صاحبزادے ہیں، بعض لوگوں نے ان کا لقب ''سراج الہند'' رکھا ہے۔ ان سے پہلے کے زمانے میں شیخ الاجل شیخ نصیرالدین دہلویؒ خلیفہ سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین دہلویؒ) چشتی کا لقب ''سراجِ دہلی'' تھا۔

آپؒ 1159ھ (1746ء) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے علم حدیث اور تمام مروّجہ علومِ اسلامیہ اپنے والد گرامی سے حاصل کیے۔ بعض علوم براہِ راست ان سے پڑھ کر، اور بعض دوسرے علوم ان سے سن کر حاصل کیے۔ پوری تحقیق، عقل و شعور، غور و فکر اور پوری توجہ کے ساتھ ان علوم پر عبور حاصل کیا۔ یہاں تک کہ آپؒ کو تمام علوم میں ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا۔

جب آپؒ کے والدِ گرامی (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اللہ کی رحمت کے جوار میں تشریف لے گئے، تو آپؒ نے اپنے والد کے تربیت یافتہ اونچے درجے کے شاگردوں (جیسے مولانا محمد عاشق پھلتیؒ اور خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ) سے استفادہ کیا۔ اور ان سے خوب نفع اٹھایا۔ اور جو علوم اپنے والد سے پڑھنے سے رہ گئے تھے، ان سے حاصل کیے۔ حتیٰ کہ آپؒ نے اپنے زمانے کے فضلا پر بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔ اور دور دراز سے لوگ علوم حاصل کرنے کے لیے آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کے لیے آنے لگے۔ اور دور و نزدیک کے تمام لوگوں نے آپؒ کے علمی کمالات کا اقرار کیا۔ آپؒ ہمیشہ علومِ دین کے پھیلانے میں مسلسل مصروف رہے۔ اور اس کے انوارات سے آپؒ کا چہرہ تر و تازہ رہا کرتا تھا۔ آپؒ نے ان علوم کو بہت عمدہ انداز میں لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ آپؒ زیادہ تر درس و تصنیف میں مشغول رہا کرتے تھے۔

(تربیت یافتہ جماعت کی تیاری)

اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیتیں اور کمالات آپؒ کو عطا کی تھیں، ان میں سب سے بڑی یہ تھی کہ آپؒ کو شاگردوں کی ایک بہترین جماعت میسر آ گئی۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قائم کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے اسباب بھی جمع کر دیتا ہے۔ اللہ نے اس جماعت کے ذریعے سے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور ظلمتوں کو ختم کر دیا۔ اور اس زمانے کی تمام خرابیوں کا خاتمہ کر کے ایک روشن دور کا آغاز کر دیا۔ چناں چہ اس جماعت کے ذریعے سے آپؒ کے علوم و اَفکار کی تحریک بڑی مضبوطی سے آگے بڑھی۔ اس جماعت کے لوگ آپؒ کے دست و بازو بن گئے۔ انھوں نے آپؒ کے شروع کیے ہوئے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے ذریعے سے آپؒ کے علوم پھیلے۔ اور آپؒ کے بعد بھی ان علوم کے آثار اور نشانات قائم و دائم رہے۔

www.rahimia.org

امام شاہ عبدالعزیزؒ کمال اور شہرت کے ایسے مقام تک پہنچے کہ ہندوستان کے لوگ ان کے ساتھ اپنی علمی اور فکری نسبت قائم کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے شاگردوں کے ساتھ نسبت بھی قائم ہونے پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ الغرض یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؒ میں فضل وکمال کی تمام قسموں کو جمع کر دیا تھا۔ جو آپؒ کے ہم عصر لوگوں میں مختلف اور منتشر تھیں۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو اس امت کے سلفِ صالحین میں شامل فرمائے۔ اور ان کا حشر اس امت کے بڑے آئمہ میں سے سابقین اولین کے ساتھ فرمائے۔'' إنتھٰی ملخّصًا (44)

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی امامت کا دور)

میں یہ کہتا ہوں کہ: امام عبدالعزیز دہلویؒ امام تھے۔ اور انتہائی بردبار شخص تھے۔ اللہ نے آپؒ کو توفیق دی کہ آپؒ نے اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کو پھیلایا۔ آپؒ 1159ھ (1746ء) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے والد کے شاگردوں مثلاً شیخ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ اور شیخ محمد عاشق پھلتیؒ اور شیخ نوراللہ بڈھانوی دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ شیخ محمد بن سنہ عمری متوفی 1186ھ (1772ء) کی جانب سے حاصل اجازتِ عامہ میں بھی شامل تھے۔ اور آپؒ مسلسل علوم و معارف کے فوائد کو پھیلانے اور اس کی تجدید میں اسی دن سے مشغول ہو گئے تھے، جس دن لوگوں نے آپؒ کو 1176ھ (1762ء) میں اپنے والد گرامی کی مسند پر بٹھایا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی 1239ھ (1824ء) میں وفات ہوگئی۔ آپؒ کا دور گیارھویں دور کے طبقہ اولیٰ کے اختتام پر ہے۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگردوں کے چند طبقات)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگردوں کے چند طبقات ہیں:

1۔ پہلے طبقے میں آپؒ کے (i) بھائی شیخ رفیع الدین دہلویؒ، (ii) دوسرے بھائی شیخ عبدالقادر دہلویؒ، (iii) شیخ عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلوی مظہریؒ (iv) اور شیخ عبدالحئی بن نوراللہ دہلوی صدرالسعیدؒ ہیں۔

2۔ دوسرے طبقے میں (i) صدر الشہید محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہؒ (ii) اور صدر الحمید محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد عمریؒ (iii) امیر الشہید سید احمد حسنیؒ (iv) شیخ رشید الدین کشمیریؒ، چاروں دہلویؒ لوگ ہیں۔

3۔ تیسرے طبقے میں (i) شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین دہلویؒ، (ii) شیخ محمد یعقوب بن محمد افضل دہلوی مکیؒ، (iii) شیخ ابوسعید دہلوی مظہریؒ، (iv) شیخ خالد کردی دِمشقیؒ ہیں۔

www.rahimia.org

فصل (2) (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خصوصیات)

رجب 1187ھ یا 1188ھ (1773/74ء) (45) میں امام عبدالعزیز دہلویؒ نے خواب کی حالت میں امامِ انقلاب امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ امیر المؤمنینؓ نے آپؒ کے سامنے اجتماعی حالت کی خرابیوں کی نشان دہی کی۔ اور ان کی اصلاح کا طریقۂ کار بیان کیا۔ اس کے بعد سے امام عبدالعزیزؒ، امیر المؤمنینؓ کے ارشاد کے مطابق بڑی استقامت کے ساتھ کام کرتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؒ کے عزائم اور ارادوں میں برکت ڈالی۔ اور آپؒ کی زندگی میں ہی عام مسلمانوں میں اصلاح وتبدیلی کی روح سرایت کرگئی۔ اور آپؒ کے تیار کردہ لوگ عام مسلمانوں کے تعاون سے اصلاح وتبدیلی کے لیے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ''جادۂ قویمہ محمدیہؐ'' (محمدی اُسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر وعمل) کو زندہ کرنے کے لیے ایک عارضی ہندوستانی حکومت قائم کی۔ اور ایسا بارھویں صدی ہجری کے نصف اول میں ہوا۔

(حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سوال و جواب)

''امالئ عزیزیہ'' میں ہے کہ:

''فقیر نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے۔ اور وہاں ایک سفید بُراق کی طرح کا فرش بچھا ہوا ہے۔ اس فرش پر عمدہ لباس پہنے ہوئے نورانی صورت کے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اور حضرت جناب حضرت امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مبارک آمد کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ فقیر نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ اور پھر اس فرش پر بیٹھ گیا۔

اچانک جناب امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) قبلے کی جانب سے تشریف فرما ہوئے۔ اور اس فرش کی طرف متوجہ ہوئے۔ تمام لوگ آپؓ کی تعظیم و اکرام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرش کے آخری سرے پر آپؓ کے انتظار میں کھڑے ہوگئے۔ فقیر بھی اس فرش کے درمیان میں کھڑا تھا۔ لوگوں کے سخت ہجوم کی وجہ سے فرش کے کنارے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپؓ تشریف لائے اور لوگوں کی صف کو چیرتے ہوئے اس فقیر کے قریب پہنچے۔ اور چہار زانو تشریف فرما ہوگئے۔ فقیر بڑے ادب کے ساتھ دو زانو ہو کر آپؓ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؓ نے مجھ پر بڑی مہربانی اور شفقت فرمائی۔ آپؓ نے کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ صرف اس فقیر کے ساتھ ہی ہم کلام ہوئے۔ فقیر نے اس وقت کو غنیمت جانا اور چند چیزیں، جو اس وقت میرے ذہن میں موجود تھیں، میں نے آپؓ کے سامنے پیش کیں اور درست جواب پایا۔

1۔ (ایک کتاب کے بارے میں تحقیق)

پہلی بات جو آپؓ نے فرمائی، وہ یہ تھی کہ: ''میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے پشتو زبان میں ایک

کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں کچھ چیزیں میری تحقیر کی درج ہیں۔ تمھیں اس بات کی اطلاع ہے یا نہیں؟'' فقیر نے عرض کیا کہ: ''بندہ پشتو نہیں جانتا کہ اس زبان کی کتابوں کے حال سے آگاہ ہوتا۔ آپ کی فرمائی ہوئی بات کی میں تحقیق ضرور کروں گا۔''

2۔ (فقہی مذاہب میں افراط و تفریط)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ: ''فقہا کے مذاہب میں سے جناب کا پسندیدہ مذہب کون سا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ: ''کوئی مذہب میرا پسندیدہ نہیں ہے۔'' یا یہ فرمایا کہ: ''(کوئی مذہب) ہمارے طرز کے مطابق نہیں ہے، سب میں افراط و تفریط پیدا ہوگئی ہے۔''

3۔ (طریقت کے سلسلوں میں افراط و تفریط)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ: ''اولیاء اللہ کے طریقوں میں سے کون سا طریقہ جنابِ عالی کو پسند ہے؟'' تو آپؒ نے فرمایا کہ: ''اس معاملے میں بھی ہمارا وہی جواب ہے۔ اس لیے کہ ہر طریقے میں ہمارے طریقے کے خلاف بہت سی ناپسندیدہ چیزیں پیدا ہوگئی ہیں۔ (اس دور میں) کوئی نہ کوئی کمی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ طریقت کے اصل زمانے میں تقرب اِلی اللہ کے حصول کے لیے جو معمولات مقرر کیے گئے تھے، ان میں ذکر اللہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن اور نماز بھی شامل تھی، لیکن آج انھوں نے فقط ذکر کو تو اپنا معمول بنالیا ہے، جب کہ تلاوتِ قرآن اور نماز کو تقرب اِلی اللہ کے لیے معمول نہیں سمجھتے۔''

4۔ (ذکر اللہ کے ساتھ تلاوت اور نماز سے نسبت کا حصول)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ: ''تلاوتِ قرآن اور نماز کو کس طریقے پر اپنا معمول بنانا چاہیے کہ تلاوتِ قرآن اور نماز کے حوالے سے آپ کے طریقۂ معمولات کا ہمیں علم ہوجائے۔ اس سلسلے میں آپؒ اپنی زبان سے کوئی بات بیان فرمادیں! لیکن اس سے پہلے کہ آپ جواب دیتے، مجھے اپنے باطن میں کچھ تاثیر معلوم ہونے لگی۔ اور میرے باطن کی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہونے لگی کہ جسے (لفظوں میں) بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت میں نے اس سوال کا جواب اپنے باطن میں موجود پایا۔

5۔ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی حضرت علیؓ سے بیعت)

میں نے یہ بھی عرض کیا: ''اگرچہ مجھے بحمد اللہ طریقت کے بہت سے سلسلوں کے ذریعے جنابِ عالی کے توسل حاصل ہے، لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ بلاواسطہ آپ سے بیعت کروں۔'' آپ جناب نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور فقیر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت فرمائی۔ اور اس وقت فقیر کے باطن میں بہت زیادہ (علوم و معارف کا) القا ہوا۔

6۔ (صحابہؓ کے باہمی اختلاف کی حقیقت)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ: ''اکثر صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر قریشی لوگوں نے آپ جناب عالی سے بہت زیادہ جھگڑے اور لڑائیاں کی ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کیوں کر ہوئیں؟'' تو آپؓ نے ان کی حقیقت بیان فرمائی کہ: ''ہم ان سے برادرانہ شکایت رکھتے تھے۔'' یا یہ فرمایا کہ: ''ہم آپس میں برادرانہ شکایت رکھتے تھے۔ اور ہمارے درمیان کچھ شک رنجیاں تھیں۔ اور پھر غیر سمجھ دار لوگوں نے اس کو دور دراز تک پہنچا دیا اور بہت زیادہ پھیلا دیا۔''

7۔ (سادات کی ایک جماعت کے بارے میں سید ہونے کی نفی)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ: ''فلاں جماعت خود کو سید کہلواتی ہے۔ اور جنابِ عالی کی اولاد میں سے اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔'' آپؓ نے فرمایا ہے کہ: ''وہ جماعت میری اولاد میں سے نہیں ہے۔ وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔''

اس کے بعد یکا یک آپؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور جدھر سے تشریف لائے تھے، اسی طرف بڑی تیزی سے واپس چلے گئے۔ جب کہ دوسرے تمام لوگ جو منتظر تھے، حیرت میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کاش کہ یہ صحبت تھوڑی دیر اور لمبی ہو جاتی۔'' اِنتہٰی (46)

فصل (3) (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب)

(الف) (ولی اللّٰہی جمعیتِ علم و فکر)

امام عبدالعزیزؒ نے اپنے بھائیوں اور اپنے شاگردوں کو ان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام کیا تھا۔ ان حضرات نے عام اہلِ علم کے ہاں رائج شدہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کی اور اس کے بعد انھوں نے فقہ، تصوف، تفسیر، حدیث اور حکمت و فلسفہ میں ''طریقۂ محمدیہؐ'' (محمدی اُسوۂ حسنہ) کے ''جادۂ قویمہ'' (شاہراہِ فکر و عمل) کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعوت دی۔ اس طرح انھوں نے ولی اللّٰہی نظریہ اور فکر کی علمی جمعیت قائم کی۔

(ب) (فتویٰ دارالحرب اور سیاسی تنظیم کا قیام)

انگریز دہلی میں 1218ھ مطابق 1803ء میں داخل ہوئے۔ امام عبدالعزیز دہلویؒ نے بعض اہلِ علم کے برخلاف دہلی کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری فرمایا۔ (47) اور اپنے والد حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے نظریات پر ایک سیاسی جماعت منظّم کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس سیاسی جماعت میں عام لوگوں کی شمولیت کو

www.rahimia.org

آسان بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اس جماعت کا امیر وہ ہو، جو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق رکھتا ہو۔

چناں چہ 1222ھ (1807ء) میں امیر شہید سید احمد بریلویؒ، آپؒ کے شاگردوں میں داخل ہوئے۔ وہ سید ابوسعید بریلوی ولی اللّٰہیؒ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کا سلسلۂ نسب امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں امام نفس زکیہؒ کے ساتھ جا ملتا تھا۔ امام عبدالعزیزؒ نے 1225ھ (1810ء) میں انھیں عسکری تربیت کے حصول کے لیے بھیجا۔ وہ اس سے 1231ھ (1816ء) میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد امام عبدالعزیز دہلویؒ نے انھیں دین کے شعائر کو غالب کرنے کی دعوت دینے کے لیے امیر مقرر کیا۔ کہ وہ:

(الف) معاشرتی اور معاشی اصلاح کر کے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حد درجہ جدوجہد کریں۔

(ب) دینِ متین کے غلبے کے لیے جہاد کریں۔

صدر السعید مولانا عبدالحئیؒ دہلویؒ اور صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ اس عظیم مہم میں آپؒ کے ساتھ دو وزرا کی حیثیت سے رہے۔ جب کہ صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ دہلی ہی میں مقیم رہے۔ تاکہ وہ امام عبدالعزیزؒ کی اعانت اور ان کی نیابت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اس لیے کہ امام عبدالعزیزؒ اپنی آخری عمر میں آشوبِ چشم کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔

(ج) (آپؒ کی قائم کردہ سیاسی جماعت نے حکومت قائم کی)

اس جماعت نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔ اور 1236ھ (1821ء) میں دینِ حق کے داعی تمام بستیوں اور شہروں میں پھیلا دیے۔ اور انھوں نے جہاد کی دعوت کا اعلان کر دیا۔ محرم 1241ھ (1825ء) میں سندھ، قندھار اور کابل سے ہندوستان کی سرحد پر واقع افغان علاقے کے پہاڑوں کی جانب ہجرت کا آغاز ہوا۔ اور پھر 12/ جمادی الثانیہ 1242ھ (دسمبر 1826ء) کو پنجتار میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کی۔

صدر السعید مولانا عبدالحئیؒ دہلویؒ 1243ھ (1828ء) میں انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد شیخ محمد حسن رام پوریؒ صدر الشہیدؒ (مولانا محمد اسماعیل) کے ساتھ شامل ہو گئے، جو کہ دیوبندی جماعت کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ایسے ہی امیر الشہیدؒ کی رفاقت میں دیوبندی جماعت کے امام سید عبدالرحیم افغانی (ولایتی شہیدؒ) بھی رہے۔

اس جماعت کے یہ حضرات کشمیر کی حدود کے قریب ایک چھوٹے سے شہر ''بالاکوٹ'' میں 27/ ذی قعد 1246ھ (1831ء) میں اسی جدوجہد میں شہید ہو گئے۔ اور انگریزوں کی سازشوں، مسلمان امرا کی رجعت پسندانہ سوچ اور عام مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے یہ حکومت ختم ہو گئی۔

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ اسماعیل بن عبدالغنی (دہلویؒ) اس مشہور جنگ میں شہید ہو گئے، جب سکھ کافر دشمن نے ان پر

حملہ کیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے، انھوں نے ہی نقصان پہنچایا۔ اپنے امام کی بیعت توڑ دی، اور وہ دشمن کے ساتھ مل گئے۔ اور مسلمانوں کا خون بہانے میں اُن کا ساتھ دیا۔'' اِنتھیٰ (48)

(د) (آپؒ کے جانشین؛ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ)

اب دہلی میں صدر الحمیدؒ (شاہ محمد اسحاق دہلوی) باقی رہ گئے۔ اور وہ امام عبدالعزیزؒ کی زندگی میں جن اُمور کو سرانجام دیا کرتے تھے، انہی میں مشغول رہے۔ اور پھر ان کے قائم مقام بن کر 1262ھ (1846ء) تک ہندوستان میں مسلسل دینِ حق کے داعی تیار کرنے اور انھیں پورے ملک میں پھیلانے کا کام کرتے تھے۔

انھوں نے اپنے بھائی شیخ محمد یعقوب دہلویؒ کے ساتھ 1258ھ (1842ء) میں ہجرت کی۔ اور مکہ مکرمہ کو اپنا مرکز بنا کر اس جماعت کی تجدید کا آغاز کیا، یہاں تک کہ 1262ھ (1846ء) میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر ان کے حکم سے ان کے قائم مقام شیخ محمد یعقوب دہلویؒ 1272ھ (1856ء) تک کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 1283ھ (1866ء) میں (دارالعلوم دیوبند کے قیام سے) یہ کام ہمارے دیوبندی مشائخ کے پاس منتقل ہو گیا۔ چناں چہ مدرسہ دیوبند کا سنگِ بنیاد 15/محرم 1283ھ مطابق 29/مئی 1866ء کو رکھا گیا۔

رضی اللّٰہ عنھم أجمعین (اللہ ان تمام سے راضی ہے)

====================

حوالہ جات وحواشی

1۔ عکس تحریر، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، صفحہ بیک ٹائٹل التمہید، مطبوعہ سندھی اَدَبی بورڈ، حیدر آباد، سندھ۔ دارالعلوم دیوبند کے اس قلمی نسخے کا عکس 2009ء کے سفرِ ہندوستان میں ہمیں مولانا ڈاکٹر نثار احمد قاسمی کی وساطت سے ملا ہے۔ اس ترجمے کے وقت اس قلمی نسخے کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔

2۔ لکھنوی، سید، مولانا عبدالحئیؒ، نزہۃ الخواطر، جلد 8، ص 328، مطبوعہ مکتبہ دار العرفات، دائرۃ الشیخ علم اللہ رائے بریلی، ہند۔

3۔ قریش کے بارہ خلفا کے بارے میں ایک حدیث آتی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''لایزال الإسلام عزیزا إلی إثنی عشر خلیفةً ... کلھم من قریش''۔ (رواہ مسلم، حدیث نمبر 4708، طبع بیروت) کہ ''اسلام اس وقت تک ہمیشہ غالب رہے گا، جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ اور وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔'' اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''لایزال ھٰذا الدین عزیزاً منیعًا إلی إثنی عشر خلیفة... کلھم من قریش'' (رواہ مسلم حدیث نمبر 4710، طبع بیروت) ''ہمیشہ یہ دین زبردست اور غالب رہے گا۔ جب تک بارہ خلفا ہوں گے۔ اور وہ تمام قریش سے ہوں گے۔'' مولانا سندھیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ''التمهيد'' میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان بارہ خلفا سے مراد درجِ ذیل

خلفا ہیں: (1) حضرت ابوبکر صدیقؓ، (2) حضرت عمر فاروقؓ، (3) حضرت عثمان ابن عفانؓ، (4) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، (5) حضرت امیر معاویہؓ (حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد) (6) عبدالملک ابن مروان اُموی (حضرت عبداللہ ابن زبیر کے بعد)، (7) ولید ابن عبدالملک اُموی، (8) سلیمان ابن عبدالملک اُموی، (9) عمر بن عبدالعزیز اُموی، (10) منصور عباسی، (11) مہدی عباسی، (12) ہارون الرشید عباسی (متوفی 193ھ)۔ ان بارہ خلفا کے زمانے میں اسلام مضبوط اور مستحکم رہا۔ ان کے درمیان کے باقی حکمرانوں اور بعد کے حکمرانوں کے زمانے میں انتشار اور کمزوری رہی۔ ان کا زمانہ تقریباً دوسو سال کا بنتا ہے۔ (التمھید، ص19-318)

4۔ منشی ذکاء اللہ نے ''تاریخ ہندوستان'' میں جامع مسجد دہلی کی تعمیر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''شاہ جہان کے حکم سے 10/شوال 1060ھ (06/اکتوبر 1650ء) میں معماروں اور سعداللہ خان دیوان (وزیر اعظم) اور فاضل خان خانساماں نے ایک پہاڑی پر ایک مسجدِ عالی کی بنیاد رکھی۔ جو قلعہ (دہلی) کی سمت مغرب میں ہزار گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہر روز اوّل سے آخر تک اس کو پانچ ہزار سنگ تراش (اور مزدور وغیرہ).... بناتے رہے۔...اور سعداللہ خان اور خلیل اللہ خان کے اہتمام سے 06 سال میں دس لاکھ روپے کے صَرف (خرچ) سے تمام تیار ہوئی۔''

(تاریخ ہندوستان، جلد نمبر 07، ص7-406، طبع سنگ میل پبلشرز، لاہور)

5۔ انفاس العارفین، ص191 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا۔

6۔ القول الجمیل، ص197 (اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور) طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔

7۔ ایضاً، ص190۔

8۔ ایضاً، ص97-196۔

9۔ حضرت سندھیؒ نے اس کتاب میں شیخ محسن یمانیؒ کی کتاب ''الیانع الجنی'' کے بہت سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اس کا سبب خود حضرت سندھیؒ نے آخر میں بیان کیا ہے کہ ''الیانع الجنی'' دراصل شیخ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے بیان کردہ واقعات کی ترجمانی ہے۔ شیخ محسنؒ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے شیخ اور استاذ کے بیان کردہ ان واقعات کو بہترین عربی زبان میں اور بڑے ادبی انداز میں بیان کر دیا ہے۔ شیخ محسن بن یحییٰ بکری تُرہٹی: علاقہ ''تُرہٹ'' کے شہر ''پورنیا'' میں پیدا ہوئے۔ اپنے علاقے کے علما سے صرف و نحو اور ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر کانپور میں شیخ سلام اللہ صدیقیؒ سے دیگر علوم کی تکمیل کے ساتھ بخاری شریف کے ابتدائی حصے کی سماعت کی۔ اس کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادیؒ سے علومِ فلسفہ اور منطق حاصل کیے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور مدینہ منورہ میں شیخ عبدالغنی بن شیخ ابوسعید دہلوی مجددیؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ کی اسانید اور دیگر ولی اللّٰہی علوم و افکار حاصل کیے۔ انھوں نے ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کی تمام اسانید اور ان حضرات کے حالات و سوانح پر بڑی عمدہ کتاب ''الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی'' لکھی۔ شیخ محسن یمانیؒ کا انتقال 19 رجب 1280ھ/31 دسمبر 1863ء کو مدینہ منورہ میں ہوا۔ (دیکھیے! نزہۃ الخواطر، از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ، جلد نمبر 07، ص447، طبع لکھنؤ)

10۔ الیانع الجنی، مطبوعہ علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص79، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

11۔ چناں چہ آپؒ نے شیخ حسام الدینؒ کو لکھا تھا: ''اپنی ذات سے گزر جانا چاہیے۔ اور دوست میں پیوست ہو جانا چاہیے۔ ''ظاہر'' سے ''باطن'' کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ اور ''باطن'' سے ''بطن البطون'' کی جانب یعنی ''مرتبۂ ظلیت'' سے ''مرتبۂ اصلیت'' کے ''حقائق'' کی جانب پہنچنا چاہیے۔ اور ''حقائق'' سے ''حقیقت الحقائق'' میں پیوست ہو جانا چاہیے۔ یہی مطلب ہے اس قول کا کہ: ''الفقر إذا تمّ هو الله'' (فقر جب مکمل ہوتا ہے تو وہی اللہ ہے۔) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ممکن واجب ہو جاتا ہے اور

www.rahimia.org

واجب ممکن ہوجائے، اور جس کسی نے بھی یہ بات کہی ہے، وہ فضول، لغو میں مبتلا اور اہلِ شرک کی گمراہی اور حلول کے غلط نظریے کو مانتا ہے۔ أعاذنا اللّٰہ من إعتقاد الزنادقه (اللہ ہمیں زندیقوں کے عقیدے سے محفوظ رکھے۔) ایسا آدمی تجلی کی حقیقت کو نہیں جانتا۔ (رسائل (مکتوبات) حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ، مکتوب نمبر26 بنام شیخ حسام الدین، ص203 (اردو ترجمہ)، مطبوعہ خانقاہ سراجیہ، کندیاں، ضلع میانوالی)

12۔ شیخ نقشبندؒ نے فرمایا: ''بایزید بسطامیؒ کی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے، مگر آپ کا یہ نکتۂ معرفت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔'' انفاس العارفین، ص156 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا۔

13۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ: ''حضرت والدِ گرامی کا معمول تھا کہ صبح کو سب سے پہلے تہجد کے نوافل پڑھتے تھے۔ اور پھر ہمیشہ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کے حلقے میں روزانہ قرآن حکیم کے دو تین رکوع کی تلاوت کرتے تھے۔ اور بڑے تدبر کے ساتھ ان کے معانی اور مفاہیم بیان کرتے تھے۔''

(انفاس العارفین، ص 199-189 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا)

14۔ خواجہ حسام الدین دہلویؒ: آپؒ کے والد قاضی نظام الدین بدخشی تھے۔ اکبراعظم نے انھیں ''قاضی خان'' کا لقب دے کر اپنے امرا میں شامل کرلیا تھا۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب ایک پہلو سے حضرت حسن بصریؒ تک پہنچتا ہے۔ 977ھ (1569ء) میں آپؒ کی ولادت ہوئی۔ آپؒ نے ابتدائی عمر سے علوم و معارف حاصل کیے۔ اور ان میں مہارت حاصل کی۔ والدِ گرامی کے انتقال کے بعد عہدۂ اِمارت آپؒ کو مل گیا۔ آپؒ کی شادی شیخ مبارک ناگوری کی بیٹی اور اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل اور فیضی کی بہن سے ہوئی تھی۔ اکبر اعظم نے انھیں خانِ خاناں عبدالرحیم بن بیرم خان کے ساتھ دکن کی مہم پر بھیج دیا تھا۔ اسی اثنا میں آپؒ فقرا سے ملتے رہے۔ اس طرح محبتِ الٰہی کا غلبہ اتنا زیادہ ہوا کہ منصبِ حکومت چھوڑ کر ترکِ دنیا کا فیصلہ کرلیا۔ اکبر بادشاہ سے اجازت طلب کی، لیکن اجازت نہ ملی۔ تو بظاہر دیوانہ بن کر بڑی مشکل سے اجازت حاصل کی اور سیدھا دہلی پہنچے۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوکر تربیت پائی۔ سلوک وتصوف کی منازل طے کیں۔ اور ان کے بلند مرتبہ خلفا میں آپؒ کا شمار ہونے لگا۔ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خورد نے آپؒ کو ''افضل واکمل اصحابِ حضرت خواجۂ ما'' اور ان کا ''جانشین حقیقی'' لکھا ہے۔ حضرت خواجہ حسام الدین دہلویؒ نے اگرچہ بظاہر سلطنت اور اِمارت سے علاحدگی اختیار کرلی تھی، اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار کی خدمت اور اپنے شیخ کے سلسلے کے پھیلاؤ میں مصروف رہے تھے، لیکن حکومت وسلطنتِ مغلیہ میں آپؒ کا اثر و رسوخ بدستور تھا۔ چناں چہ سیاسی حوالے سے جہانگیر کے بعد شاہ جہان کی جانشینی کے لیے مسلسل دعا اور ہر طرح کی جدوجہد کرتے رہے۔ اسی طرح آپؒ ہمیشہ محتاجوں اور غریبوں کی حاجت روائی کے لیے مسلسل کوشاں رہتے۔ اور امرا کو اس سلسلے میں سفارش کیا کرتے تھے۔ الغرض آپؒ طریقت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت وسلطنت کے سیاسی اور معاشی امور میں مسلسل رہنمائی دیتے اور اپنا خاموش کردار ادا کرتے رہتے تھے۔ حضرت خواجہ حسام الدین دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خوردؒ ہیں۔ اور حضرت خواجہ خوردؒ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے اجل مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔

امیر ابوالعلاء اکبرآبادی: آپ کے والد ابوالوفا بن عبدالسلام کرمان کے حسینی مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے ننہالی مورثِ اعلیٰ خواجہ محمد فیضی بن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبیداللہ احرار تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنے نانا حضرت خواجہ محمد فیضی کی زیرِ نگرانی پرورش پا کر جوان ہوئے۔ خواجہ محمد فیضی اکبر اعظم کی سلطنت کے اہم رکن راجہ مان سنگھ کے مصاحب تھے۔ سلطنتِ مغلیہ میں آپ کا اثر و رسوخ تھا۔ خواجہ محمد فیضی کے انتقال کے بعد آپؒ ان کی جگہ راجہ مان سنگھ کے لشکر

www.rahimia.org

میں اکبری دربار کے ساتھ وابستہ رہے۔ اور اکبر کے انتقال کے بعد جب آپ جہانگیر سے ملے تو اس نے بھی آپ کو اپنے خصوصی مصاحبین میں شامل کرلیا۔ لیکن کچھ عرصے بعد جہانگیر سے ایک معاملے میں اختلاف کے سبب اور خواب میں تین بزرگوں کے اشارے سے آپ نے سلطنت وحکومت سے علاحدگی اختیار کرلی۔ اور کچھ عرصہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر رہ کر روحانی فیوضات و برکات حاصل کیں۔ اور پھر اپنے ننہالی چچا امیر عبداللہ بن حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی صحبت میں رہ کر نقشبندی سلسلے کی اجازت اور تربیت حاصل کی۔ سلطنتِ مغلیہ میں امراءِ حکومت میں شامل رہنے کی وجہ سے ''امیر'' آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔ آپؒ کا انتقال 9/صفر 1061ھ (02/فروری 1651ء) میں ہوا۔ آپ کے خلیفہ اجل شیخ ولی محمد نارنولیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ اجل خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ ہیں، جو حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے پیر و مرشد اور اجل مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کا اشارہ انہی کی طرف ہے۔

15۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں: ''اِس فقیر نے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت والا (والدِ گرامی) کا نامِ نامی عالمِ ملکوت میں ''ابوالفیض'' ہے۔ اس بارے میں مَیں نے آپؒ (والدِ گرامی) سے تنہائی میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا: ''ہاں! ایسے ہی ہے۔ اور تمہارا نام عالمِ ملکوت میں ''ابوالفیاض'' ہے۔'' (انفاس العارفین، ص185، اردو ترجمہ، طبع دیوبند)

16۔ انفاس العارفین، ص191 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا۔

17۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص80، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

18۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ نے فرمایا کہ: میں نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ ''قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: حسنات الأبرار سيّئات المقرّبين'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں'')

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو گزشتہ بزرگوں کا قول قرار دیا ہے، مگر حقیقت میں یہ صحیح حدیث ہے۔'' (انفاس العارفین، ص209، (اردو ترجمہ)۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''حضرت شیخ ابوالرضا دہلویؒ نے فرمایا: ''صاحبِ تحقیق متکلمین (فلاسفہ) ''حقیقتِ ممکن'' اور ''حقیقتِ واجب'' کے درمیان تباین (فرق کے حوالے) سے ایک ایسا معنی مراد لیتے ہیں، جسے قبول کر لینے سے صوفیا کی تحقیقات پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف رہ جاتا ہے۔ قدیم فلاسفہ کے کلام کو صوفیا کے بیان کردہ حقائق پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔''

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیا کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں۔ اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفا کرنا ہے۔ اور اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقے نے صرف چند چیزوں پر اکتفا کرلیا ہے۔ اور بعض چیزوں کو اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔'' (انفاس العارفین، ص211، (اردو ترجمہ) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا)

19۔ القول الجمیل، ص197، (اردو ترجمہ) طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور 2010ء۔

20۔ القول الجمیل، ص189، (اردو ترجمہ) طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور 2010ء۔

21۔ الیانع الجنی، ص80، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

22۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے حرمین کے مشائخ کے تعارف کے لیے ایک رسالہ ''أنسان العين فی مشائخ الحرمين'' کے نام سے لکھا ہے، جو ''انفاس العارفین'' کا حصہ ہے۔ ان مشائخ کے حالات کے لیے اسے ملاحظہ کیا جائے۔

www.rahimia.org

(دیکھیے انفاس العارفین، ص374 تا 403، (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا)

23۔ انفاس العارفین، الجزء اللطیف بترجمۃ عبدالضعیف، ص204، طبع مجتبائی، دہلی، 1335ھ۔

24۔ چناں چہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں فرماتے ہیں: ''مے گوید فقیر ولی اللہ عفی عنہ ایں کلماتِ چنداست کہ اولاد و اَحبابِ خود را بآں وصیت مے کنم .... ما مردم عریبم کہ در دیارِ ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند، وعربیتِ نسب وعربیت لسان ہر دو فخر ما است کہ ما را بسیدِ اولین و آخرین و افضل انبیاء المرسلین وفخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نزدیک مے گردانند۔'' (فقیر ولی اللہ عفی عنہ اپنی اولاد اور دوستوں کے لیے یہ چند کلمات بطورِ وصیت کے کہتا ہے۔ .... ہم عربی لوگ ہیں۔ اور ہمارے آباؤ اَجداد ہندوستان کے شہروں میں اَجنبی حالت میں آئے تھے۔ عربی نسب اور عربی زبان دونوں چیزیں ہمارے لیے فخر کا باعث ہیں۔ کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنے آپ کو سیدالاولین والآخرین افضل انبیاء المرسلین فخر موجودات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سمجھتے ہیں۔) (تفھیماتِ الٰھیہ، تفہیم نمبر246، جلد02، ص296، طبع حیدرآباد، سندھ)

25۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک رسالہ ''المقدّمۃ فی قوانین التّرجمۃ'' لکھا ہے۔ جس میں عربی زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کے اصول وقوانین مرتب اور مدوّن کیے ہیں۔ یہ رسالہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے اردو ترجمے کے ساتھ ''برہان'' کے دو شماروں یعنی اکتوبر، نومبر 1945ء میں چھپا تھا۔ اور اس کے کئی قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔

26۔ علم حدیث کی کتاب ''المسوّٰی'' کا یہاں پر ذکر کرنا علم تفسیر کے سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ حضرت سندھیؒ نے چوں کہ اس کتاب میں شیخ محسنؒ کی ''الیانع الجنی'' کی متفرق عبارتیں جمع کی ہیں۔ ''التمھید'' کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں یہ عبارت اسی جگہ لکھی ہوئی ہے۔ حال آں کہ اسے علم حدیث کی بحث میں ہونا چاہیے۔ غالباً ایسا سہواً ہوا ہے۔ ہم نے کتاب کی ترتیب کے مطابق ہی اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔

27۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''عُجالۂ نافعہ'' میں لکھتے ہیں: ''وبرائے فہم معانی اَحادیث ورفع تعارض من بینہا حضرت والا ماجد قدس سرہٗ قواعدِ عجیبہ وفوائدِ غریبہ تنسیق فرمودہ اند۔'' (احادیث کے معنی سمجھنے اور ان کے تعارض اور اختلافی پہلوؤں کو دور کرنے کے لیے حضرت والا ماجد قدس سرہٗ نے بہترین قواعد وضوابط اور اچھوتے فوائد بڑی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔)

(عجالہ نافعہ، ص17، طبع نور محمد کارخانۂ تجارت، آرام باغ، کراچی)

28۔ دس قسموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے باب کیفیۃ فھم المراد من الکلام، المبحث السابع، حجۃ اللّٰہ البالغہ۔

29۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، تلخیص صفحات 84 تا 89، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

30۔ ایضاً، ص89۔

31۔ ایضاً، ص90-91۔

32۔ شیخ ابوالعُلا سے مراد علامہ فضل حق خیرآبادیؒ ہیں۔ یہ ''الیانع الجنی'' کے مصنف شیخ محسن یمانیؒ کے استاذ ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔ چناں چہ شیخ محسنؒ نے ''الیانع الجنی'' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ: ''حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ سے ہمارے استاذ علامہ ابوالعُلا فضل حق عمری خیرآبادیؒ نے تعلیم حاصل کی۔'' (الیانع الجنی، ص75)

شہر ''الور'' ہندوستان میں ایک ریاست کا دارالحکومت رہا ہے۔ اور مولانا فضل حق خیرآبادیؒ وہاں قیام فرما رہے ہیں۔

33۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، صفحات 92-93، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

34۔ التفہیمات الالٰہیہ، تفہیم نمبر14، جلد نمبر02، ص19، طبع حیدرآباد، سندھ۔

35۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص91، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

www.rahimia.org

36۔ ایضاً، ص91۔

37۔ ایضاً، ص91۔

38۔ ایضاً، ص91-92۔

39۔ ایضاً، ص93۔

40۔ ایضاً، ص93-94۔

41۔ ایضاً، ص95۔

42۔ فیوض الحرمین، ص88-89، مطبع احمدی دہلی۔ بمع اردو ترجمہ ص266، 270، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔

43۔ ''خزانۂ عامرہ''، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف ہے۔ جس میں انھوں نے فارسی زبان میں ہندوستان کے شعرا کی شاعری اور ان کے حالاتِ زندگی کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ (دیکھیے نزہۃ الخواطر، جلد نمبر 06، ص209)
اس کتاب کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

44۔ الیانع الجنی، ص73-74، طبع دار الاشاعت، دیوبند، ہند۔

45۔ یہاں پر حضرت سندھیؒ کا درجِ ذیل حاشیہ ہے: ''ہم نے اس سن (1187ھ) کا تعین امالی میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے اس قول سے کیا ہے کہ:

> '' ہفت سال مے گزرد کہ بست و ہفتم رجب شبِ معراج علیٰ اکثر روایات فقیر در خواب دید۔ ... اِلیٰ آخرہٖ'' (سات سال گزر گئے کہ 27/رجب اکثر روایات کے مطابق معراج کی رات کو فقیر نے خواب میں دیکھا۔ اِلیٰ آخرہٖ)

اس لیے کہ یہ امالی شیخ محمد مظہر دہلویؒ (مرزا مظہر جانِ جاناں) کے سوال کے جواب میں امام عبدالعزیز نے لکھوائی تھی جیسا کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہی نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ جسے شیخ عاشق الٰہی نے ''تذکرۃ الرشید'' .... میں ذکر کیا ہے۔ شیخ محمد مظہر کی وفات 1295ھ (1878ء) میں ہوئی۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ ان کے درمیان ہونے والی خط و کتابت ان کے انتقال سے ایک سال پہلے ہوئی، تو جو تاریخ ہم نے تحریر کی ہے، وہ متعین ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم، کتبہٗ عبیداللہ سندھی)

46۔ (امالی عزیزیہ از حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، ص....، طبع...) سیدوں کی اس جماعت سے مراد غالباً ''ساداتِ بارہہ'' ہیں، جنھوں نے مغل حکومت کے زوال میں بڑا کردار ادا کیا۔

47۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''در کتب معتبرہ اکثر ہمی روایت اختیار کردہ کہ دار الاسلام دارالحرب مے تواند شد''.... ''دریں شہر (دہلی) حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست و حکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است۔'' (ص16) ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''آں چہ مرقوم شدہ کہ دار الاسلام گاہے دارالحرب نمے شود قولِ مرجوح است و اصح آں است کہ دار الاسلام دارالحرب مے شود .... بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں و اشباہِ ایشاں لاشبہ دارالحرب است۔ واللہ اعلم'' (ص10-109، فتاویٰ عزیزیہ، جلد اول، طبع در مطبع مجتبائی، دہلی، 1341ھ)

48۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص76، طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

www.rahimia.org

تعارف کتب

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم تصنیف

التفهيمات الإلٰهيه

تالیف و ترتیب کی نوعیت، قلمی نسخوں اور طباعتوں کا تعارف

تحریر: مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

www.rahimia.org

یوں تو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تمام ہی تحریرات و تصانیف جاذب توجہ اور فکر ونظر کی راہوں میں چراغاں فرمانے والی ہیں، لیکن ان میں خاص طور سے چار کتابیں سب سے ممتاز و متنوع اور غیر معمولی مباحث و جہات کی حامل ہیں:

(i) حجة الله البالغه

(ii) خير كثير

(iii) البدور البازغه

(iv) التفهيمات الإلٰهيه

اگرچہ حضرت شاہ صاحبؒ کی جملہ تصانیف میں سب سے زیادہ اہم اور بلند و بالاتمغۂ امتیاز ''حجة الله البالغه'' کے لیے مختص ہے، مگر مختلف مباحث و عنوانات پر حضرت شاہ صاحبؒ کے افکار کی جیسی گوناگوں اور متنوع تصویر ''التفهيماتِ الٰهيه'' میں نظر آتی ہے۔ یہ بات اور ہفت رنگ ترجمان، حضرت شاہ صاحبؒ کی کسی اور تصنیف کو حاصل نہیں۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے افکار کی وسیع واقفیت کے لیے ''حجة الله البالغه'' کے بعد سب سے زیادہ استفادہ بھی اسی سے کیا جاتا ہے۔

راقم سطور اس غیر معمولی کتاب پر گفتگو کا کسی بھی طرح اہل نہیں، تاہم ''التفهيمات'' کی تالیف و ترتیب کی نوعیت اور اس کے قلمی نسخوں اور نئی پرانی طباعتوں اور ان کے متعلقات پر چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ ''التفہیمات'' کے حوالے سے:

(i) سب سے پہلی بات تو یہ تحقیق طلب ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی (باقاعدہ) تالیف ہے یا صرف مجموعۂ افادات (جسے ان کے متوسلین نے مرتب کیا ہے)؟

(ii) دوسرے: اس کا سن ترتیب و تالیف کیا ہے؟

(iii) تیسرے: اس کے معلوم قلمی اور مطبوعہ نسخے، ان کی معنویت

(iv) چوتھے: کیا اس کے مطبوعہ نسخے، نسخۂ مصنف یا معتبر ترین قلمی نسخوں کے مطابق ہیں، یا ان میں ترمیم و تغیر ہوا ہے؟

(v) نیز ''التفهيمات'' کے بعض مندرجات و مباحث اوران کے متعلق چند تصانیف و تحریریں!

ان میں سے ہر ایک پہلو پر چند گزارشات حاضر ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ کے چند مجموعہ ہائے افادات اوران کے مرتبین:

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افادات اور تصانیف و مؤلفات کو متعدد پہلوؤں پر کئی طرح سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و افادات میں سے کچھ تو وہ تصانیف ہیں، جو خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اوّل سے آخر تک مرتب و مکمل فرمائی ہیں۔ چند وہ ہیں، جن کے مسودات مرتب و منتشر تھے، ان کو حضرت شاہ صاحبؒ کے خاص شاگردوں نے، خصوصاً شاہ محمد عاشق پھلتیؒ اور حضرت خواجہ محمد امین ٹھٹھویؒ (ملاحظہ:1) نے مرتب و مکمل کیا۔ تصانیف کے بعد شاہ صاحبؒ کے افادات، واردات اور مکتوبات و ملفوظات کی بات آتی ہے۔ اس طرح کے تمام مجموعے شاہ صاحبؒ کے شاگردوں اور متوسلین نے مرتب فرمائے۔ (ملاحظہ:2) حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات میں شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے پانچ مجموعے مرتب ہوئے، جو شاہ محمد عاشقؒ، ان کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتیؒ وغیرہ مختلف حضرات نے مرتب کیے۔ ملفوظات و افادات کی ترتیب کے علاوہ اور علمی خدمات میں بھی شاہ محمد عاشقؒ اور خواجہ محمد امینؒ پیش پیش رہے۔ ان مجموعوں میں سے ''القول الجلی فی آثار الولی'' اور ''التفهيمات الإلٰهيه'' سب سے ممتاز و معروف ہیں، لیکن ان دونوں میں ایک خاص فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ شاہ محمد عاشق کی تحریروں سے تأثر ملتا ہے کہ ''القول الجلی'' میں صرف وہ افادات و ملفوظات درج کیے گئے ہیں، جو واردات و مکاشفات اور اَحوالِ باطن کے مشاہدات سے متعلق ہیں۔ جنھیں شاہ صاحبؒ نے زبانی ارشاد فرمایا ہے۔ ''التفهيمات الإلٰهيه'' میں علوم و مباحث کی گرہ کشائی فرمائی گئی ہے۔ ان کو اوّلاً خود شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قلم بند فرمایا ہے، بعد میں ''تفہیمات'' میں شامل کیے گئے۔

''القول الجلی'' کے اکثر مندرجات زبانی ارشاد فرمائے گئے تھے۔ جن کو شاہ محمد عاشقؒ یا دوسرے اصحاب نے قلم بند کیا۔ یا خود شاہ صاحبؒ نے حاضرِ خدمت افراد میں سے کسی سے لکھوا کر محفوظ کر لیے اور شاہ محمد عاشقؒ وغیرہ کو بھیج دیے۔ یا شاہ محمد عاشقؒ اور خواجہ امینؒ میں سے کسی کو ان افادات کی خبر ہوئی تو انھوں نے خود طلب کیے اور ''القول الجلی'' وغیرہ میں شامل کر دیے۔ ''تفہیمات'' کی نوعیت اس سے خاصی مختلف ہیں۔ ''تفہیمات'' کی

اکثر تفہیمات یا علوم و افادات حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خود تحریر کیے۔ اور جیسے جیسے یہ علوم و افادات قلم بند ہوتے رہے، شاہ محمد عاشقؒ کے پاس بھیجے جاتے رہے۔ اور وہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ترسیل کے مطابق ان کو سلکِ تالیف میں مرتب کرتے رہے۔

''التفہیمات'' شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کی تالیف ہے؟

اگرچہ ''تفہیمات'' پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مکتوبہ تمہید ہے، جس سے یہ خیال ہوتا ہے اور یہی عموماً مشہور و متعارف بھی ہے کہ ''التفہیمات'' نہ صرف حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات ہیں، بلکہ ''تفہیمات'' حضرت کی تالیف بھی ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کے مجموعوں میں شامل مکتوبات سے اس کی خاصی رہنمائی مل رہی ہے کہ ''تفہیمات'' کی تالیف و تدوین حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہدایات کی روشنی میں شاہ محمد عاشقؒ نے فرمائی ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''دریں ایام قصیدہ در مدح حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انشاء کردہ شدہ است۔ بعضے ابیاتِ اُو نیم کاردہ ماندہ است۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایں قصیدہ مع تفہیماتِ ثلثہ خواہند رسید۔'' (1)

''انہی دنوں میں ایک قصیدہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کہا ہے، مگر اس کے چند شعر ناتمام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ قصیدہ تین تفہیمات کے ساتھ پہنچے گا۔''

یہ مکتوب واضح کر رہا ہے کہ ''التفہیمات'' میں ___ جس کو وہ مرتب فرما رہے تھے ___ ''تفہیمات'' اور اشعار و قصائد درج ہیں۔ شاہ صاحبؒ لکھ کر شاہ محمد عاشقؒ کو بھیجتے رہتے تھے۔ اور جیسے ہی یہ چیزیں شاہ محمد عاشقؒ کے پاس پہنچتیں، شاہ صاحبؒ ان کو اسی ترتیب کے مطابق اس مجموعے میں شامل کر لیتے، جس کو وہ مرتب فرما رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ کے ایک گرامی نامے کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے، جس سے اس خیال کی مزید تائید ہو رہی ہے اور ''تفہیمات'' کے اختتامِ تالیف کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہدایت کا بھی علم ہو رہا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''تفہیمِ مجازات مرسل است، آں را در تفہیمات داخل کردہ۔ بعض مبشرات و خُطَب بأو جمع کردہ تمام نمایند۔'' (2)

''تفہیمِ مجازات روانہ ہے، اس کو تفہیمات میں داخل کر کے بعض مبشرات اور خطبے اس کے ساتھ جمع کر کے (تفہیمات کو) مکمل کر دیں۔''

شاہ محمد عاشق صاحبؒ نے یقیناً اس ہدایت پر عمل کیا اور مجازات پر ''التفہیمات'' کو ختم کر دیا ہوگا۔ ''التفہیمات'' کے مطبوعہ نسخوں سے اس کی جزوی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ کیوں کہ ''التفہیمات'' کی مطبوعہ پہلی

www.rahimia.org

جلد کا مجازات کی بحث پر اختتام ہو گیا ہے، مگر یہ ایک مستقل المیہ ہے کہ ''التفھیمات'' کی اس وقت تک کی تمام اشاعتوں میں جو حصہ جلد اوّل کے عنوان سے چھپا ہے، وہ نسخہ مصنف کی روشنی میں فی الحقیقت جلد ثانی ہے۔ اور جس کو جلد دوم کے نام سے شائع کیا جاتا ہے، وہ دراصل جلد اوّل ہے۔

ان جلدوں کے مضامین اور ''تفھیمات'' کی الٹ پلٹ کی کچھ تفصیل انشاء اللہ آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔ یہاں ''تفھیمات'' کے سن تالیف کا کچھ تذکرہ مناسب ہے۔

''التفھیمات'' کا سن تالیف

''تفھیماتِ الٰھیہ'' کی تالیف کب شروع ہوئی؟ اس کی واضح شہادت تو نہیں ملی، لیکن بعض قرائن سے خیال ہوتا ہے کہ اس کی جمع و تالیف کا کام حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر حجاز (آغازِ سفر: 08/ ربیع الآخر 1143ھ/ اکتوبر 1730ء۔ اختتام: 14/ رجب سن 1145ھ/ اوائل جنوری 1733ء) سے پہلے شروع ہو کر جمادی الاولیٰ 1146ھ (1733ء) میں مکمل ہو گیا تھا۔ اس کی خود حضرت شاہ محمد عاشقؒ کے قلم سے (مکتوبہ تفہیماتِ الٰہیہ جلد اول کے اختتامی کلمات) سے واضح تصدیق ہو رہی ہے۔

جلد اوّل کی تکمیل کا سن

شاہ محمد عاشقؒ نے اس نسخے کے اختتام پر یہ کلمات رقم فرمائے ہیں:

''تمّ الجلد الأوّل من التّفهيمات الإلٰهية، لإمام العارفين و قطب المحقّقين، فانی فی اللّٰه الشيخ ولی اللّٰه مدظلّه العالی. بيد الفقير الحقير محمّد عاشق، كان اللّٰه له و غفر عنه. (ملاحظہ:3) يوم السبت، وقت الضّحىٰ، رابع عشر شهر جمادى الأولىٰ سنة ست و أربعين، و مائة و ألف من هجرة النّبىّ صلّى اللّٰه عليه و سلّم و علىٰ آله و أصحابه و بارک و سلّم تسليمًا كثيرًا كثيرًا.'' (3)

(عارفوں کے امام، محققین کے قطب، اللہ کی ذات میں فنا، شیخ ولی اللہ مدظلہ العالی کی تالیف تفہیماتِ الٰہیہ کی جلد اول فقیر حقیر محمد عاشق ــــــ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہو اور اسے معاف فرمائے ــــــ کے ہاتھوں ہفتے کے دن صبح چاشت کے وقت 14/ جمادی الاولیٰ 1146ھ (اکتوبر 1733ء) کو مکمل ہوئی۔)

جلد اوّل میں (جو مطبوعہ نسخوں میں جلد ثانی بنی ہوئی ہے) جو تحریریں، خصوصاً اجازت نامے شامل ہیں، ان میں قدیم ترین اجازت نامہ بنام شیخ بدر الحق ہے، جو ربیع الثانی 1142ھ کا مکتوبہ اور اس وقت تک دریافت، شاہ صاحبؒ کا قدیم ترین اجازت نامہ ہے۔ اس کے بعد اجازت نامہ بنام شیخ محمد عابد بن علاء الدین بن سیف اللہ ہے،

www.rahimia.org

مگر اس پر تاریخ اجازت تحریر نہیں۔ یہ اجازت نامہ ناشرین کی غلطی سے اس جلد میں بے محل شامل کر دیا گیا ہے، جس کو جلد اوّل کہا جاتا ہے۔

جلد دوم کی تالیف کا آغاز و اختتام

جلد اوّل مکمل ہونے کے بعد غالباً جلد ہی جلد دوم کی تالیف و ترتیب پر توجہ ہوگئی تھی۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ''تفہیمات'' جلد ثانی (جو مطبوعہ نسخوں میں اوّل ہے) کا آغاز شاہ نوراللہ پھلتی بڈھانویؒ کے نام اجازت نامہ حدیث و سلوک سے ہوا ہے، جو 28/ جمادی الثانی 1146ھ (دسمبر 1733ء) یعنی ''تفہیمات'' کے مذکورہ بالا نسخہ (مکتوبہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ، جمادی الاوّل 1146ھ) کی کتابت کے بعد تحریر ہوا ہے۔

دوسری جلد کی تالیف اندازاً پندرہ سال سے زیادہ عرصے تک رہی، کیوں کہ جلد اوّل سن 1146ھ کے وسط میں مکمل ہوگئی تھی۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ جلد ثانی کی تالیف پر توجہ کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا ہوگا۔ یہ کام مکمل کب ہوا؟ اس کی جلد دوم کے مندرجات خود ہی ایسی واضح اطلاع دے رہے ہیں کہ کسی اور شہادت و تائید کی ضرورت نہیں۔

''تفہیمات'' جلد دوم میں شاہ محمد عاشقؒ کے لیے نہایت زور دار، بلکہ غیر معمولی اجازت و خلافت نامہ شامل ہے۔ جس پر تاریخ کتابت 07/ ربیع الاوّل 1159ھ (اپریل 1746ء) درج ہے۔ (4) اس سال کے چند اور افادات ''تفہیمات'' میں شامل ہونے کا شاہ محمد عاشقؒ نے ''القول الجلی'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

''در شہر شعبان از شہور سنہ پنجاہ و نہ بعد ہزار و صد، از پھلت بشاہجہاں آباد حضرت ایشاں تشریف بردند، ایں فقیر بہ رکاب کرامت انتساب آں حضرت بود، واز اخیرہ شہر مذکور قصد اعتکاف اربعین فرمودند۔

در شب اوّل از اربعین ارشاد نمودند کہ یک داعیہ برمی خیزد کہ کیف تحقیق باسماء اللہ الحسنٰی بطرزے کہ درخود یافتہ میں شود تحریر نمودہ آید، پس آں را مرتبۂ تحریر بخشیدہ در سلک تفہیماتِ الٰہیہ منتظم فرمودند۔'' (5)

''ماہِ شعبان سن گیارہ سو انسٹھ (1159ھ) (6) میں حضرت والا (شاہ صاحب) پھلت سے شاہ جہاں آباد (دہلی) تشریف لے گئے۔ یہ فقیر (شاہ محمد عاشق) بھی حضرت کی بابرکت ہمراہی میں تھا۔ حضرت نے شعبان کے آخر میں چالیس دن کے اعتکاف کا ارادہ فرمایا۔

ان چالیس دنوں کی پہلی رات میں فرمایا کہ ایک داعیہ دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے حسنہ کے معانی جس طرح کہ مجھ پر کھلے ہیں، ان کو تحریر میں لایا جائے۔ اس لیے ان کو لباسِ تحریر بخش کر تفہیماتِ الٰہیہ کی ترتیب میں شامل فرمایا۔''

نیز اجازت نامہ بنام محمد عاشق ''تفہیمات'' جلد اول میں تقریباً نصف اوّل کے اختتام پر ہے۔ یعنی اس کے اندراج کے وقت ''تفہیمات'' کی دوسری جلد کی تالیف تقریباً نصف تک پہنچی تھی۔ اور اس کے بعد بھی ''تفہیمات''

کی تالیف کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ اس کا اختتام کب ہوا؟ اس کا علم اس سے ہوتا ہے کہ جلد اول کے آخر میں جو افادات و اجازات ہیں، ان میں سے چند ایک پر سن کتابت بھی تحریر ہے۔ رمضان سن 1160ھ (اکتوبر 1747ء) کی یادگار حافظ عبدالرحمان بن حافظ نظام الدین ٹھٹھوی کے لیے اجازت نامہ ہے۔ اس کے بعد ''تفہیمات'' کے چند ہی صفحات باقی ہیں۔ اور اسی پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہدایت کے مطابق ''تفہیمات'' کا اختتام ہوگیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''تفہیمات'' کی دوسری جلد کی تالیف سن 1146ھ (1734ء) کے نصف ثانی میں شروع ہوکر اندازاً غالباً چودہ سال کے بعد سن 1160ھ (1747ء) کے شاید آخری دنوں میں مکمل ہوئی۔

''تفہیمات'' کے قلمی نسخے

سن تالیف کے بعد ''تفہیمات'' کے قلمی نسخوں کا ذکر مناسب ہوگا۔ برصغیر ہند کے ذخیروں میں اس وقت تک ''تفہیمات'' کے صرف پانچ قلمی نسخوں کا سراغ ملا ہے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

1۔ پہلا قلمی نسخہ؛ نسخہ لاہور

''تفہیمات'' کا سب سے اہم، سب سے معتبر جلد اوّل کا وہ نسخہ ہے، جو مرتبِ نسخہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کی خوب صورت اور دل کش تحریر میں ہے۔ اور ''تفہیمات'' کا قدیم ترین معلوم نسخہ ہے۔ یہ نسخہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تمہید سے جلد اول کے اختتام تک کے جملہ مندرجات پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا کوئی صفحہ ضائع بلکہ پرانا اور مضمحل بھی نہیں ہوا۔ راقم سطور نے اس نسخے کی زیارت کی ہے۔ اور اس کا مکمل فوٹو اسٹیٹ راقم کے ذخیرے میں موجود ہے۔

یہ نسخہ درمیانی پیائش کے ایک سو پینتالیس اوراق یا دو سو نوے صفحات پر مشتمل ہے۔ فی صفحہ پندرہ سطریں ہیں۔ اس کی کتابت 14/ جمادی الاولیٰ 1146ھ (اکتوبر 1733ء) کو مکمل ہوئی ہے۔ ترقیمۂ کاتب کی مکمل عبارت گزر چکی ہے، یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یہ قلمی نسخہ علامہ اقبال کی نظر میں

یہ نسخہ تقریباً سن 1934ء (1353ھ) سے اہل نظر کے علم میں ہے۔ علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط میں اس نسخے کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ہاں ایک ضروری بات یاد آگئی۔ یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہ کی تفہیماتِ الٰھیہ کی دوسری جلد ہے، جو شاہ عاشق حسین شاگرد شاہ ولی اللہ کی لکھی ہوئی ہے۔
>
> کیا ندوہ کے کتب خانے میں یہ کتاب موجود ہے، مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے، وہ پہلی جلد ہے یا دوسری، یا دونوں؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمے کا انتظام کیا ہے، مجھے ایسا یاد

پڑتا ہے کہ شاید ''معارف'' میں اس کا اردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا۔'' (7) (مکتوبہ 06/ستمبر 1934ء)

مگر تعجب ہے کہ اس نسخے کی دریافت اور اہل فضل و کمال کی محفلوں اور خط و کتابت میں اس کے تذکرے کے باوجود ملک کا مؤقر علمی ادارہ مجلس علمی ڈابھیل (گجرات) اس نسخے کے وجود سے بے خبر ہی رہا۔ اس کو اس نسخے کا علم ہی نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے مجلس کے اہتمام و انصرام سے شائع نسخہ "تفہیمات" میں اس کا اشارتاً بھی کہیں تذکرہ نہیں آیا، استفادے کی بات تو بعد کی ہے۔

2۔ دوسرا قلمی نسخہ؛ نسخہ ٹونک

نقل نسخہ مؤلف: قدامت و استناد دونوں پہلوؤں سے ''نسخہ لاہور'' کے بعد ''نسخہ ٹونک'' کا مقام ہے۔ یہ نسخہ مصنف مرتب تو نہیں، لیکن کاتب کی صراحت کے مطابق نسخہ مصنف سے منقول ہے۔ اس نسخے کے ساتھ "الخیر الکثیر" بھی منقول اور مجلد ہے۔ یہ نسخہ نواب محمد علی خان نواب ٹونک کے ذاتی کتب خانے میں سن 1290ھ میں داخل ہوا۔ اس کے پہلے صفحے پر یہ کلمات تحریر ہیں:

''تفہیمات حضرت قدوة العلماء، مولوی شاہ ولی اللہ صاحب، منقول از مسودہ اول قلمی خط فارسی، کاغذ سفید۔ در کتب خانہ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خان بہادر، دام اقبالہ والی ٹونک در سن 1290ھ داخل گردید۔'' (8)

(یہ علما کے رہنما حضرت مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب تفہیمات ہے۔ اور یہ پہلے قلمی مسودے سے سفید کاغذ پر فارسی خط میں نقل کی گئی ہے۔ اور کتب خانہ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد خان بہادر والیِ ٹونک کے کتب خانے میں 1290ھ (1883ء) میں داخل ہوئی۔)

راقم کو اس نسخے سے راست استفادے کا موقع نہیں ملا، اس لیے مزید تعارف سے قاصر ہے۔

3۔ تیسرا نسخہ؛ نسخہ علی گڑھ

نسخہ مملوکہ شاہ محمد عمر خلف شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ: تیسرا نسخہ، جس کے سن کتابت اور کاتب کے متعلق معلومات نہیں، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے یونی ورسٹی کلکشن میں ہے۔ اس نسخے کی معنویت یہ ہے کہ اس کے حواشی پر ایک جگہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے فرزند شاہ محمد عمر (وفات سن 1268ھ) کے مختصر افادات اور دستخط ثبت ہیں۔ اس نسخے کو مولانا سید احمد رضا بجنوری (مرتب نسخہ مطبوعہ علمی ڈابھیل) نے اپنے سامنے موجود نسخوں میں صحیح ترین قرار دیا ہے۔ (9)

4۔ چوتھا نسخہ؛ نسخہ سہارن پور

مکتوبہ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ: ایک اور تقریباً مکمل نسخہ کتب خانہ مظاہر علوم سہارن پور میں موجود ہے۔ جو

www.rahimia.org

غالبًا ہندوستان کے مشہور عالم اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے قلم سے ہے۔ اس کی کتابت 21/صفر 1269ھ (فروری 1879ء) کو مکمل ہوئی۔ جلد اول کے آخر میں ترقیمۂ کاتب ہے۔ جو ان الفاظ پر مشتمل ہے:

''تمّت نسخة تفهيمات الٰهيه، يوم الخميس في شهر صفر المظفّر سنة ثمان و تسعين، بعد الألف و المائتين.'' بقلم محمد یعقوب عفی عنہ

(تفہیماتِ الٰہیہ کی نقل جمعرات کے دن ماہ صفر 1298ھ (1881ء) کو محمد یعقوب عفی عنہ کے قلم سے مکمل ہوئی۔)

اگرچہ اس میں نانوتوی کی صراحت نہیں، مگر قرائن اس کی تصدیق کر رہے ہیں کہ یہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ہی کا قلم اور تحریر ہے۔

الف: ایک قرینہ یہ ہے کہ ''تفهيمات'' کے بعد اس جلد میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تالیف، ''تحقيق رساله وحدة الوجود و الشهود'' یا ''مكتوب بنام شيخ محمداسماعيل آفندى'' نقل ہے۔ جو مولانا محمد یعقوب کے بھانجے (اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کے بڑے بھائی) مولانا نذیر احمد انبیٹھوی نے نقل کیا ہے۔ لکھا ہے:

''الحمد للہ کہ..... تاریخ ۲۱/صفر ۱۲۹۶ھ بخط بے ربط، کمترین نذیر احمد ساکن انبیٹھہ ضلع سہارنپور، در بھاولپور اختتام یافت۔''

(سب تعریفیں اللہ کے لیے کہ...... تاریخ 21/صفر 1296ھ (1879ء) کو کمترین نذیر احمد ساکن انبیٹھہ ضلع سہارنپور کے بے ربط خط سے بہاولپور میں اختتام پذیر ہوا۔)

یہ نسخہ ہلکے آسمانی رنگ کے عمدہ باریک ولایتی کاغذ پر نقل ہوا ہے۔ کہیں کہیں دوسرے رنگ کا کاغذ بھی استعمال ہوا ہے۔ تحریر نستعلیق رواں اور صاف ہے۔ چند خاص عبارتوں اور کلمات کو جلی اور نمایاں کر کے لکھا ہے۔ فی صفحہ سترہ سطور آئی ہیں۔ افسوس کہ اس نسخے کی دوسری جلد نا تمام ہے۔

یہ نسخہ بھی نسخہ مرتبہ مجلس علمی مطبوعہ بجنور کے بنیادی مراجع میں شامل ہے۔ مولانا احمد رضا بجنوری نے اس کا یوں ذکر کیا ہے:

''النسخة الخطية في مكتبة مظاهر العلوم السهارنفوريه. و هٰذه نسخة كاملة جيدة النسق و الترتيب عندنا، و لذا قد وضعنا ترتيب نسختنا في الأكثر علٰى ترتيبها بحسب التقديم و التاخير.'' (10)

(مظاہر العلوم سہارنپور کتب خانے میں (تفهيمات کا) ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ ہمارے نزدیک یہ عمدہ اور بہترین ترتیب کا حامل نسخہ ہے۔ اسی لیے ہم نے اپنے نسخے میں موجود تفہیمات کی ترتیب اور ان

کی تقدیم و تاخیر زیادہ تر اس نسخے کے مطابق کی ہے۔)

5۔ پانچواں نسخہ؛ نسخہ سرسید

نسخہ سرسید احمد: پانچویں نسخہ وہ ہے، جو سرسید احمد نے کسی پرانے مگر غلط نسخے سے اپنے لیے نقل کرایا تھا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے سرسید احمد نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

''تفہیماتِ الٰہیہ میرے پاس ہے۔ بہ مشکل ایک کتاب ملی تھی۔ اس کی نقل جلدی میں لے لی تھی۔ وہ اصل کتاب ہی غلط تھی، نقل شاید اور غلط ہو۔'' (11)

یہ نسخہ بھی مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ) میں محفوظ ہے۔ اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس کے کم سے کم ایک صفحے پر سرسید احمد کے قلم سے عربی میں حاشیہ تحریر ہے۔ اس نسخے پر سن کتابت وغیرہ درج نہیں۔

6۔ چھٹا نسخہ؛ نسخہ مولانا نورالحق علوی

نسخہ مملوکہ مولانا نورالحق علوی لاہور: چھٹا وہ نسخہ تھا، جس کا مولانا احمد رضا خان صاحب بجنوری نے (مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے خاص شاگرد اور تربیت یافتہ عالم) مولانا نورالحق علوی لاہور کے ذاتی ذخیرے کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ مگر افسوس کہ مولانا نورالحق کی وفات (یکم جمادی الثانی 1370ھ/ 1951ء) کے بعد، مولانا کا علمی ذخیرہ قادیانیوں نے خرید لیا تھا۔ اور وہ تمام بیش بہا دینی علمی اثاثہ، جو خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ کی قلمی کتابوں اور ان پر مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا نورالحق کی تعلیقات اور افادات پر مشتمل تھا۔ پاکستان میں قادیانیوں کے بڑے مرکز ''ربوہ'' منتقل ہوگیا تھا۔ اب اس کے متعلق کچھ بھی معلوم کرلینا آسان نہیں۔

آں دفتر را گاؤ خورد، و گاؤ را قصاب برد، و قصاب در راہ مُرد۔ (اس دفتر کو گائے کھا گئی، اور گائے کو قصاب لے گیا اور قصاب راستے میں مرگیا۔)

''التفھیمات'' کی اشاعتیں

''تـفـهـيـمـــات'' کی طباعت کا غالباً سب سے پہلے بہار کے ایک ممتاز عالم اور حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض تصانیف اور رسائل کے ناشر مولانا علی اکرم آروی نے ارادہ کیا تھا۔ وہ اس کو اپنے ''مطبع آرہ'' سے شائع کرنا چاہتے تھے۔ مگر شاید یہ تمنا عملی صورت اختیار کرنے سے قاصر رہی۔ آرہ کی مطبوعہ ''الـتـفـهـيـمـات'' کا اب تک کہیں حوالہ و اقتباس نظر سے نہیں گزرا۔

1۔ سب سے پہلی طباعت

تفہیمات کی طباعت کا منصوبہ اس وقت جزوی طور پر نمودار ہوا، جب مولانا سید احمد دہلوی ولی اللّٰہی نے اپنے

معروف مطبع ''احمدی دہلی'' سے اس کا پہلا حصہ شائع کیا۔ یہ مختصر سی اشاعت معروف حصہ اول کی ابتدائی چند تفہیمات پر مشتمل ہے۔ جس کا اختتام:

''اصول دعوة الشيخ ابى الحسن الشاذلى و الشيخ ابى العبّاس البونى.''

پر ہوگیا ہے۔ اس اشاعت میں اس تفہیم کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا رسالہ **''تحقيق وحدة الوجود و الشهود''** یا **''مكتوب بنام شيخ اسماعيل آفندى''** شامل ہے۔ جو اس موقعے پر **''تفهيمات''** کے اور مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں اور اسی پر **''تفهيمات''** کی یہ اشاعت اختتام پذیر ہوگئی ہے۔

اس نسخے پر سن ترتیب و کتابت یا اشاعت و طباعت نیز مولوی سید احمد ولی اللّٰہی کے قلم سے تمہیدی وضاحت یا اختتامیہ بھی موجود نہیں۔ البتہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم اور ان کی بعض مشکلات کے حل اور ان کی طباعت کی ضرورت پر مولانا محمد اسحاق (خلف مولوی نجم الہدیٰ، نگینہ ضلع بجنور) کی تین صفحے کی ایک تحریر شامل ہے۔ جس سے یہ جھلکتا ہے کہ وہی اس نسخے کے مرتب اور اشاعت کے محرک تھے۔

نسخہ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی صرف انسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں صفحہ چھپن تک **''تفهيمات''** درج ہیں۔ ستاون تک **''رساله وحدة الوجود و الشهود''** ہے۔ آخر کے دو صفحات پر مولانا اسحاق نگینوی کی تحریر ہے۔

مولانا اسحاق صاحب نے لکھا ہے کہ اگر یہ نسخہ اسی ترتیب اور منصوبے کے مطابق مکمل چھپا تو ایسے ہی آٹھ حصوں میں مکمل ہوگا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ کسی اور حصے کی طباعت کا موقع نہیں آیا، مگر حصہ اول مکرر چھپا تھا۔

2۔ دوسری طباعت: اشاعتِ بجنور

اشاعتِ بجنور: **''تفهيمات''** کا سب سے مشہور اور عموماً معتمد نسخہ وہ ہے، جو مجلس علمی ڈابھیل (گجرات) کے جید علما کی ایک جماعت نے قلمی نسخوں سے مرتب اور مقابلہ و تصحیح کر کے ''مجلس علمی'' کی جانب سے ''مدینہ پریس بجنور'' سے 1355ھ (1936ء) میں طباعت کے اعلیٰ معیار پر شائع کرایا تھا۔ اس نسخے پر بحیثیت سیکرٹری مجلس مولانا احمد رضا صاحب بجنوری کا **''كلمة الناشر''** درج ہے۔

یہ نسخہ دو جلدوں میں ہے۔ جلد اول کی ابتدا دو صفحہ کے **''كلمة الناشر''** سے ہوتی ہے۔ ص03 سے ص08 تک فہرست مضامین ہے۔ ص09 سے 264 تک کتاب کے مندرجات ہیں۔ ص265 سے 273 تک نو صفحے کا اغلاط نامہ۔

جلد اول کے آغاز پر **''كلمة الناشر''** میں ان نسخوں کا ذکر ہے، جن سے اس مطبوعہ کی تصحیح اور مقابلے میں مدد لی گئی ہے۔ ان نسخوں کا حوالہ گزر چکا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس وضاحت اور ممتاز اہل علم کے ملاحظہ و تصحیحات سے گزرنے کے باوجود یہ نسخہ ترتیب اور تصحیح دونوں پہلوؤں سے بحث و نظرِ ثانی کا متوقع و منتظر ہے۔ سب سے پہلی اور

www.rahmia.org

بڑی غلطی یہ ہے کہ اس اشاعت میں مرتب ومؤلف کی ترتیب یکسر بدل گئی ہے۔ اس طباعت میں جلد ثانی، جلد اول بن گئی ہے۔ اور جلد اول کو جلد ثانی شمار کرلیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے تاریخی مندرجات کی ترتیب اُلٹ پلٹ ہوگئی اور حضرت شاہ صاحبؒ کے افکار ونظریات کی ترقی اور تبدیلی کی جس کیفیت کا مشاہدہ ''تفہیمات'' کی صحیح ترتیب میں ہوسکتا ہے، وہ بھی کالعدم ہوگیا۔ اس نسخے کی ترتیب کی بعض خامیوں پر آئندہ سطور میں کچھ عرض کیا جائے گا۔

3۔ نسخہ مرتّبہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ، حیدرآباد، سندھ

حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں اور ان پر کی گئی تحقیقات وتعلیقات سے کچھ بھی دل چسپی رکھنے والوں کے لیے علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی (وفات 14رشوال 1424ھ/ دسمبر 2003ء) کا نام اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف پر مولانا قاسمی کی تعلیقات اور ترجمے غیر متعارف نہیں ہیں۔ جن میں ایک بڑا اور غالباً سب سے مشہور کام ''التفهيمات الإلٰهية'' کے نئے نسخے کی تصدیق وتعلیق واشاعت ہے۔

اس نسخے پر مولانا نے اڑتیس صفحے کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حکمت، نیز حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں کے چند قلمی نسخوں کا تعارف کرایا ہے۔ اور چوں کہ مولانا کو ''تفہیمات'' کا کوئی معتبر قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہوا اور ''نسخۂ لاہور'' کا مولانا قاسمی کو بظاہر علم بھی نہیں تھا، اس لیے اس اہم ترین نسخے اور دیگر قلمی نسخوں سے وہ استفادہ نہ کرسکے۔ اور صرف مطبوعہ بجنور کو اسی ترتیب اور انہی جلدوں کے مطابق صحیح کرکے شائع کردیا۔ یہ تصحیحات ایک تو وہ تھیں، جن کی لمبی فہرستیں مطبوعہ بجنور کے آخر میں شائع ہیں۔ مطبوعہ بجنور میں ان کے علاوہ بھی اَغلاط ہیں۔ ان سب کی متن میں تصحیح کی گئی، آیاتِ شریف اور احادیث کے مختصر حوالہ لکھ دیے ہیں، جس کی وجہ سے یہ نسخہ مطبوعہ بجنور سے بہت بہتر، صحیح اور نسبتاً زیادہ لائق اعتماد ہوگیا۔ کاش مولانا قاسمی صاحب کو ''نسخۂ لاہور'' کا علم ہوتا اور وہ سہارنپور اور ٹونک کے نسخوں سے راست استفادہ فرماسکتے تو ''تفہیمات'' کا اعلیٰ درجے کا شایانِ شان نسخہ وجود میں آجاتا ہے۔ مگر: **و كان امر الله قدرًا مقدورا۔**

یہ نسخہ درمیانی پیمائش کی دو ضخیم جلدوں میں ٹائپ سے چھپا تھا۔ جس کی جلد اول 1390ھ (1970ء) میں چھپی تھی۔ چند برسوں کے بعد اس کا ایک ری پرنٹ بھی چھپا تھا، جس کی خصوصاً دوسری جلد سامنے ہے۔ اس پر سن طباعت درج نہیں۔ (ملاحظہ:4)

اشاعت بجنور وحیدرآباد کی چند سقطات اور فروگزاشتیں

تذکرہ اور اشارات آچکے ہیں، کہ ''تفہیمات'' کے مطبوعہ نسخوں میں بہت التباس اور خاصی بے ترتیبی ہوگئی ہے۔ یہاں اس اجمال کی کچھ تفصیل حاضر ہے:

(الف) پہلی فروگزاشت

''تفہیمات'' کے مطبوعہ تمام نسخوں میں سب سے پہلی اور شاید سب سے بڑی کوتاہی اور غفلت یہ ہوئی کہ تمام اشاعتوں میں جلد اول کو ثانی اور ثانی کو اول قرار دے دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی ترقی یا ارتقا کی گویا تاریخی ترتیب نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ ''تفہیمات'' پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا خاصا اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس میں درج ''تفہیمات''، وہ علوم ونظریات ہوں یا تحریرات کی تاریخ، املا و کتابت کے مطابق اسی ترتیب سے درج ہیں، جس طرح شاہ صاحب نے ان کو قلم بند فرمایا۔ اور ایک کے بعد ایک درجہ بہ درجہ شاہ محمد عاشق صاحب کو روانہ فرمائے۔ اس لیے جب ان کو حضرت شاہ ولی اللہ اور مرتب ''تفہیمات'' کی ترتیب کے مطابق پڑھا جائے گا تو اس شخص کی کیفیت اور فائدہ دوسرا ہوگا۔ اور جب دونوں کی قائم کی ہوئی ترتیب کو نظر انداز کر دیا جائے گا تو اس سے صحیح نتائج اخذ کرنا مشکل ہوجائے گا۔ اسی طرح اس میں درج تحریرات و تاریخوں کے آگے پیچھے ہونے سے سخت الجھن ہوگی اور بات راہ سے بے راہ ہوجائے گی۔

(ب) دوسری فروگزاشت

بجنور اور حیدر آباد میں شائع جلدوں میں سے جو اول سے مشہور ہے، وہ جلد ثانی ہے۔ اور جو جلد ثانی کے عنوان سے چھپی ہے، وہ درحقیقت جلد اول ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے کسی باریکی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات خود شاہ ولی اللہ کی تمہید اور جلد اول مرتبہ مکتوبہ شاہ محمد عاشق سے بالکل عیاں ہے۔ مصنف یا صاحب افادات تمہید، ہمیشہ کتاب کے آغاز پر ہی لکھتا ہے۔ ایسا ہونا بہت ہی نادر ہے کہ مؤلف کتاب یا وہ شخص، جس کے علوم و افادات اس کتاب میں درج کیے گئے ہوں، کتاب کی پہلی جلد یا حصہ اول کو نظر انداز فرما کر اپنی تمہید اور کلماتِ افتتاح کے لیے جلد ثانی کو منتخب فرمائیں۔ دوسری مطبوعہ جلد کے آغاز پر حضرت شاہ ولی اللہ کی تمہید کی موجودگی اس کا ایک بڑا ثبوت ہے کہ یہی جلد اول اور مبدأ کتاب ہے۔

(ج) تیسرا قابل غور پہلو

اسی نسخے کے اختتام پر، جس کے آغاز میں شاہ ولی اللہ نے کلماتِ تمہید رقم فرمائے ہیں۔ شاہ محمد عاشق پھلتی کے قلم سے (جو حسبِ صراحت حضرت شاہ ''تفہیمات'' کے مرتب و مؤلف بھی ہیں) یہ صراحت ہے کہ یہ جلد اول ہے۔ لکھا ہے:

''تمّ الجلد الأول، من التفهيمات الإلٰهيه، لإمام العارفين و قطب المحققين، فانى فى اللّٰه، الشيخ ولى الله مدّ الله ظلاله العالى بيد الفقير الحقير محمّدعاشق كان الله له، و غفر عنه.''

(د) چوتھا قابل غور پہلو

حضرت شاہ صاحب کے قدیم ترین دستیاب اجازت نامے مثلاً برائے شیخ بدرالحق مکتوبہ ربیع الثانی 1142ھ اسی حصے میں درج ہیں، جس حصے کو جلد اول کہا جا رہا ہے۔ اور جلد ثانی میں وہ اجازت و خلافت نامے نقل کیے گئے ہیں، جو ''تفہیمات'' کی جلد اول (مکتوبہ بقلم شاہ محمد عاشق 1146ھ) کی تکمیل کے بعد رقم ہوئے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ حصہ، جس کو جلد ثانی کہا جا رہا ہے، جلد اول ہے۔ جلد ثانی وہ ہے، جس کو جلد اول کے نام سے چھاپا گیا ہے۔

جلد اول کو جلد ثانی سمجھنے کی غلطی ایسی نہیں تھی کہ اسی پر بات رک جاتی، اس غلطی نے کچھ اور فروگزاشتوں کو جنم دیا، جس کی وجہ سے جلد اول، جس کو جلد ثانی کے نام سے چھاپا گیا تھا، وہ بھی اور جلد ثانی، جس کو جلد اول سمجھ کر شائع کیا ہے، وہ بھی دونوں ناقص رہ گئیں۔

مزید یہ ہوا کہ معروف جلد اول کی ترتیب بدل کر اصل سے بہت مختلف ہوگئی ہے۔ اس ضمن میں بھی چند معروضات توجہ چاہتی ہیں:

1۔ مطبوعہ جلد اول کی فرگزاشتیں

''تفہیمات'' جلد اول، جو بجنور اور حیدر آباد سے جلد ثانی کے عنوان سے چھپی ہے۔ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی نوشتہ تمہید سے، تفہیم دوسو بیالیس (242) تک جملہ تفہیمات ایک ہیں۔ ترتیب اور مندرجات میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن اس کے بعد سے دونوں کی ترتیب اور مندرجات یکسر مختلف ہوگئے ہیں۔ جلد اول کی آخری تفہیم یا اندراج، جس پر قلمی اور نسخہ مطبوعہ متفق ہیں، آیت شریفہ **و ما ارسلنا قبلک من رسول و لا نبی ....** کی تفہیم اور توضیح ہے۔ اس نسخے کے بعد مطبوعہ بجنور میں کوئی تفہیم شامل نہیں، مرتبین نسخہ بجنور نے (نسخہ مجلس علمی ڈابھیل کی ترتیب میں) اس کے بعد اس حصے کے اختتام پر ترتیب وار:

- ☆ **تحقيق مسئلة وحدة الوجود و الشهود**
- ☆ **اجازة البعث و الإرشاد و الدرس و غيرها للشيخ بدر الحق**
- ☆ **صورة ظهور انوار الأنبياء و الأولياء**
- ☆ **وصايا المصنف لاولاده و احبابه**
- ☆ **المبشرات**
- ☆ **الخطب**

شامل کیے ہیں۔ حال آں کہ ان میں سے کوئی ایک افادہ یا تحریر بھی جلد اول مکتوبہ شاہ محمد عاشق میں موجود نہیں۔ شاہ محمد عاشق صاحبؒ نے درج بالا تفہیم: (**و ما أرسلنا**) کے بعد تقریباً بائیس ''**تفهيمات**'' اور نقل فرمائی ہیں، جو

www.rahimia.org

مطبوعہ بجنور کی اس جلد میں شامل نہیں۔ اور نسخہ بجنور میں جو چیزیں شامل ہیں، ان میں سے "**رسالہ وحدة الوجود و الشهود**" "**تفهيمات**" کا حصہ ہی نہیں ہے۔ اور وصیت نامہ بھی "**القول الجلی**" میں شامل ہو چکا تھا۔ وہ بھی یہاں زائد اور ترتیب مؤلف کے خلاف ہے۔ اجازت نامہ بنام شیخ بدر الحق بلاشبہ "**تفهيمات**" جلد اول کا حصہ ہے، مگر وہ بھی مطبوعہ بجنور میں بے محل نقل ہوا ہے۔ نسخہ مؤلف جلد اول میں اس سے پہلے کئی **تفهيمات** ہیں، جو مطبوعہ بجنور کی اس جلد میں موجود نہیں ہیں۔

قلمی نسخے میں اجازت برائے شیخ بدر الحق کے بعد ایک اور اجازت نامہ بھی ہے، جو شیخ محمد عابد بن علاء الدین بن سیف اللہ کے لیے ہے۔ اس تحریر میں شاہ ولی اللہ نے سن تحریر ثبت نہیں فرمایا۔ اسی پر "**تفهيمات**" جلد اول کا نسخہ مصنف انجام بخیر ہو گیا۔ اس کے بعد یہ صراحت لائق مطالعہ ہے:

"**تمّ الجلد الأول، من التفهيمات الإلٰهيه، لإمام العارفين و قطب المحققين فانی فی الله الشيخ ولی الله مد الله ظلاله ارشاده. بيده الفقير محمد عاشق كان الله له.**"

اشاعتِ بجنور کے آخر میں جو مبشرات اور خطبات درج ہیں، ان کو جلد ثانی کے اختتام پر آنا چاہیے تھا، حضرت شاہ ولی اللہ کی شاہ محمد عاشق کے نام ہدایت کے یہ الفاظ اوپر آ چکے ہیں کہ:

''تفہیم مجازات مرسل است، آں را در تفہیمات داخل کردہ بعضے مبشرات و خطب با وجمع کردہ تمام نمایند۔'' (12)

''ایک تفہیم مجازات کے موضوع پر روانہ ہے، ان کو تفہیمات میں داخل کر کے چند مبشرات اور خطبے اس کے ساتھ جمع کر کے (تفہیمات کو) مکمل کر دیں۔''

اس صراحت و ارشاد کے بعد مبشرات اور خطبات کا مجازات کی بحث و تفہیم کے علاوہ کسی اور جگہ نقل ہونا حضرت شاہ صاحبؒ اور نسخہ مؤلف کی تصریح کے خلاف ہے۔ اور یہی اطلاع اس بات کی شہادت بھی ہے کہ جو حصہ بجنور سے حصہ اول کے عنوان سے چھپا ہے، وہ درحقیقت حصہ دوم اور تفہیمات کا حرفِ ختام ہے۔

2۔ مطبوعہ جلد ثانی کی فروگزاشتیں

یہ چند پہلو تو اس جلد کے تھے، جس کو جلد ثانی مشتہر کر دیا گیا ہے، اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ جلد ثانی کی ترتیب و تدوین میں کیسے کیسے غیر تدوینی اثرات نقش کیے گئے ہیں۔

ابھی گزرا ہے کہ جلد ثانی کے نام سے جو جلد چھپی ہے، وہ جلد اول ہے، مگر اس میں سخت فروگزاشتیں ہو گئی ہیں۔ جس میں سے ایک بڑی واضح فروگزاشت جلد اول کے آخر میں درج تقریباً بائیس تفہیمات کا اپنی جگہ شامل نہ ہو کر دوسری جلد میں ادھر اُدھر منتشر ہو جانا ہے۔ جلد اول (نسخہ مکتوبہ شاہ محمد عاشق) کے آخر میں جو مزید بائیس تفہیمات

ہیں، ان کی ترتیب کیا ہے اور وہ اس جلد سے خارج ہو کر جلد اول (درحقیقت جلد دوم) میں کہاں کہاں نقل ہوگئی ہیں، اس کا سطور ذیل سے اندازہ کیجیے۔

تفہیماتِ الٰہیہ نسخہ قلمی 1146 میں درج آخری تفہیمات

تفهيم: و ما ارسلنا قبلک. ورق نمبر: 111 الف (نسخه بجنور، جلد2، ص214)

تفهيم: و لقد همّت به و همّ بها. ورق نمبر111 ب (نسخه بجنور، جلد 01، ص260)

تفهيم: إعلم انّ التّجلّى. ورق نمبر112 ب (نسخه بجنور، جلد01، ص261)

تفهيم: إعلم رحمک اللّٰه ان لنا. ورق نمبر 114ب.

تفهيم: و كم من بعاد كان قرباً. ورق نمبر115 (نسخه بجنور جلد 01، ص16)

تفهيم: در تعبير واقعات يكے از اصحاب. ورق نمبر117 الف (نسخه بجنور، جلد01، ص30)

تفهيم: افمن شرح اللّٰه صدره. ورق نمبر123 ب (نسخه بجنورى، جلد01، ص41)

تفهيم: اعلم ان الوحدة الكبرىٰ. ورق نمبر 126، الف (نسخه بجنور ميں موجود هى نهيں)

تفهيم: انّ للّٰه عبداً افاضته. ورق نمبر134 الف (نسخه بجنور ميں موجود هى نهيں)

تفهيم: شيخ المشائخ خواجه محمدباقى در آخر. ورق نمبر134، (ص:42، جلد02)

تفهيم: درهمه حال در توجه بحضرت حق.ورق نمبر135 الف (ص43، جلد02)

تفهيم: ما بهر حال محكوم استعداد دم. ورق نمبر135 ب (بجنور، جلد اول، ص143)

تفهيم: اعتماد ما بر حق سبحانه.ورق نمبر135، الف (ص143، جلد دوم)

تفهيم: بسرم در دهكه ايں تقرير بمردم برساں. ورق نمبر136، الف (بجنور، ص17، جلد اول)

تفهيم: شرح، بشنوازنے چوں حكايت مى كنند. ورق نمبر136 ب (بجنور، جلد اول، ص18-19)

تفهيم: الوجدان فى حد ذاته لايكون. ورق نمبر137 الف (بجنور،جلد اول، ص18)

تفهيم: روى ان عليّا كرّم اللّٰه وجهه. ورق نمبر138 ب (بجنور، جلد اول، صفحه26)

تفهيم: فيقول القائل لافائدة فى الصلوٰة على. ورق نمبر139، ب.

تفهيم: سألنى سائل عن قول امام الطريقة و قطب الحقيقة، ورق نمبر: 141 ب.

تفهيم: اجازت نامه برائے شيخ بدرالحق، ورق نمبر: 142 ب (نسخه بجنور، جلد اول، صفحه 239/236)

تفهيم: الحمد للّٰه الّذى انعم فاجزل و اعطىٰ فافضل. ورق نمبر 142 الف (بجنور، جلد اول،

ص 235)

معلوم نہیں کہ ایسی فاش غلطی اور اتنی بڑی غلط فہمی کیوں کر ہوئی کہ تفہیمات کا ایک آخری حصہ تقریباً بائیس تفہیمات حصہ اول سے خارج ہوکر جلد ثانی میں پہنچ گیا۔ اور وہ بھی اصل حصے کی ترتیب کے خلاف ادھر ادھر منتشر ہوکر۔ یہی نہیں، بلکہ بعض تفہیمات، جو جلد اول میں شامل کی گئی ہیں، وہ جلد ثانی (جو دراصل جلد اول ہے) میں گزر گئی ہیں اور بعض ایک ہی جلد میں مکرر آگئی ہیں۔ (ملاحظہ:5)

تفہیمات کی بعض عبارات کی تائید وتردید میں رسائل ومؤلفات

حضرت شاہ ولی اللہ نے ''التفهيمات'' میں جہاں اور پچاسوں موضوعات ومباحث پر گفتگو کی ہے، ان میں سے ایک اہم نازک بحث معراج کی بھی ہے۔ شاہ صاحبؒ کا ایک قول یہ ہے کہ شق قمر دیگر معجزات کی طرح معجزہ نہیں، بلکہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت کے بیان کے طور پر ایک معجزہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''اما شق القمر فعندنا ليس من المعجزات، إنما هو من آيات القيامة، كما قال الله تعالىٰ: اقتربت الساعة وانشق القمر، ولكنه صلّى الله عليه وسلّم أخبر عنه قبل وجوده فكان معجزةً من هذا السّبيل.'' (13)

اگر حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد کو شاہ صاحب کی دوسری تحریرات کے ساتھ ملا کر پڑھا دیکھا جائے تو اس میں کوئی ابہام ہے اور نہ پیچیدگی اور نہ ہی منہج سلف سے ہٹ کر کوئی بات، مگر پھر بھی اس قول کی وجہ سے شاہ صاحبؒ کی تردید بلکہ تکفیر بھی کی گئی۔ اس سلسلے میں کئی علما نے متعدد رسائل لکھے اور خاصے دنوں تک ایک علمی ہنگامہ برپا رہا، اگرچہ اس بحث کو تازہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن ''تفهيمات'' کے متعلق معلومات کی تکمیل کے لیے ان اعتراضات ومؤلفات کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

یہ سوال کس نے اٹھایا اور کیوں اس پر بحث شروع ہوئی، مجھے اس کا سراغ نہیں ملا۔ لیکن مولانا احمد علی احراری رام پوری کی تحریروں سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ گفتگو سن 1275ھ (1859ء) سے جاری تھی۔ اور اس پر غالباً سب سے پہلی تالیف (علامہ محدث، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے والد ماجد) مولانا عبدالحلیم فرنگی کا رسالہ ''نظم الدرر في سلك شق القمر'' ہے، جو سن 1278ھ (1861ء) میں تالیف ہوا۔ اس زمانے میں مولانا عبدالحلیم آبادشہر حیدرآباد میں مقیم تھے۔ اس لیے کہ ''نظم الدرر'' پہلی مرتبہ حیدرآباد سے 1279ھ (1862ء) میں شائع ہوا۔ مولانا عبدالحلیم کا یہ رسالہ سامنے آیا تو مولانا احمد علی احراری رام پوری نے فارسی میں ''اثبات الظفر في عظمت معجزة شق القمر'' کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ جو ''مطبع مظهر العجائب مدراس'' سے 1280ھ (1864ء) میں چھپا۔ مولانا عبدالحلیم، جو سن 1280ھ (1864ء) میں حج کے لیے گئے تھے، حرمین شریفین سے

اپنے رسالے پر علمائے حرمین کی تصدیقات ساتھ لائے۔ اور اس کو "**مطبع علی بخش لکھنؤ**" سے "**هدایه اخیرین**" کے ساتھ شائع کرا دیا۔

ان دونوں رسائل کی تالیف و اشاعت کے بعد اور اہل اعلم نے بھی اس بحث پر قلم اٹھایا۔ شیخ قادر بخش دہلوی نے "**اظهار الحق**" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ جو حیدر آباد سے چھپا اور بھی بعض اصحاب نے اس پر اظہارِ خیال فرمایا۔ ان سب کے جواب میں مولانا احمد علی احراری نے ایک نسبتاً مفصل کتاب "**اثبات الأخبار في اعجاز سيّدى (صلّى اللّٰه عليه وسلّم)**" کے نام سے اردو میں لکھی۔ اس میں اپنے نظریے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تائید میں ہندوستان بھر کے پچاسوں علمائے کرام کی تحریریں، تقریظات اور فتوے شامل کیے، جس میں شیخ حسین محسن یمانیؒ، مولانا مفتی محمد ایوب پھلتیؒ، مولانا نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا سید محبوب علی جعفریؒ، مولانا نواب قطب الدین احمدؒ، مولانا مفتی صدرالدین آزردہؒ، دہلی کے شہزادگان وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب تحریریں اس رسالے میں شامل کر کے آخر میں مولانا عبدالحلیم کے رسالے پر مزید علمی تبصرہ کیا۔

یہ رسالہ اثبات **الأخبار** "**مطبع نظامی کانپور**" سے ذی الحجہ سن 1283ھ (1867ء) میں شائع ہوا تھا۔ جو جلد ہی دوسری مرتبہ بھی چھپا۔ بعد میں حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے مولانا احمد علی احراری کے جواب میں ایک رسالہ "**جمع الغرر في الرد على نثر الدرر**" کے نام سے تالیف کیا ہے۔ اس رسالے کا حضرت مولانا نے اپنی تصانیف کی فہرست میں تذکرہ فرمایا ہے۔ مگر یہ رسالہ غالباً شائع نہیں ہوا۔ اور حضرت مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ رسائل و مصنفات، رسائل الامام لکھنوی، مرتبہ مولانا نعیم اشرف (مطبوعہ کراچی و ایران) میں بھی شامل نہیں ہے۔

حافظ احمد علی شوق نے مولانا احمد علی احراری کے سفر حیدر آباد کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا کا اسی موضوع پر حیدر آباد میں مولانا عبدالحلیم لکھنوی سے مناظرہ بھی ہوا تھا۔ (15) مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مولانا احمد علی نے مولانا عبدالحلیم صاحب کے رسالے کی مکرر اشاعت کے بعد مولانا سے روسائے حیدر آباد کی موجودگی میں مناظرہ کرنا چاہا تھا، مگر وہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ جیسا کہ خود مولانا احراری نے "**اثبات الاخبار**" میں لکھا ہے۔

اسی مبحث پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد خاص مولانا سید احمد حسن امروہی نے بھی اپنے ایک مضمون میں اظہار فرمایا تھا۔ اور معراج کے متعلق علما اور متکلمین کے مختلف نظریات میں مطابقت کی کوشش فرمائی تھی۔

یہ **تفهيمات الالٰهيه** کے متعلق غور و فکر کے چند گوشے تھے، جن پر راقم سطور نے کچھ عرض کیا، ممکن ہے اور بھی بعض گوشے اور معلومات ہوں، جو راقم کی دسترس میں نہیں۔ **و الحمد للّٰه اولاً و آخراً۔**

====================

www.rahimia.org

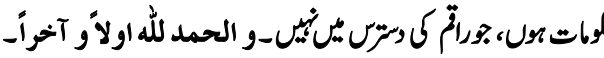

حوالہ جات

1۔ مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ مرتبہ شاہ عبدالرحمٰن پھلتی، مکتوب چہل و چہارم، ص27 (نسخہ عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدرآباد)

2۔ مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ، مکتوب بنام شاہ محمد اسحاق، مرتبہ شاہ عبدالرحمٰن، مکتوب صد و چہل ہفت۔ جلد اول۔ (نسخہ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔ یہ خط نسخہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ مرتبہ و مترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی صاحب کے حصہ دوم میں مکتوب 41 کے تحت درج ہے۔ ص278۔ (رام پور، 2004ء)

3۔ اس نسخے کا مکمل فوٹو اسٹیٹ راقم سطور کے ذخیرے میں موجود ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ هذا النعمة. یہاں یہ عرض کر دینا چاہیے کہ اس نسخے کا علامہ اقبال نے علامہ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے ایک خط، مکتوبہ 06 ستمبر 1934ھ میں ذکر کیا ہے۔ اقبال نامہ ص188، مرتبہ شیخ عطاء اللہ (طبع اول، لاہور)، نیز ملاحظہ ہو: کلیات مکاتیب اقبال، سید مظفر حسین برنی، ص620، جلد سوم، (طبع اول، دہلی: 1993ء)

4۔ التفهيمات الالٰهيه، ص121 تا 128، جلد اول مطبوعہ بجنور، (جو درحقیقت جلد ثانی ہے) جس کی اوپر بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ (1355ھ/1936ء)

5۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولی، ص136، (عکس نسخہ قلمی کاکوری، مطبوعہ دہلی، 1409ھ)

6۔ القول الجلی کے ترجمہ (مطبوعہ کاکوری، 1988ء) میں یہاں 1159ھ کی جگہ 1155ھ لکھا گیا ہے، جو صحیح نہیں، اصل میں 1159ھ بالکل واضح درج ہے۔

7۔ اقبالہ نامہ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ، جلد اول، نیز ملاحظہ ہو، کلیاتِ مکاتیب اقبال، مرتبہ مظفر حسین صاحب برنی، ص620، دہلی 1993ء جلد سوم، مگر یہ غلط فہمی یہاں بھی در آئی ہے کہ نسخہ لاہور دوسری جلد ہے، جب کہ حقیقت میں وہ جلد اول ہے۔

8۔ اس نسخے کا اسی قدر تعارف قصر علم (ٹونک کے کتب خانہ اور نوادر) مرتبہ صاحب زادہ شوکت علی خان (بلاسن ٹونک) کے ص61، او ص170، پر درج ہے۔

9۔ التفهيمات الٰهيه كلمة الناشر (بجنور: 1355ھ/1936ء)

10۔ كلمة الناشر، نسخہ مطبوعہ بجنور: 1355ھ۔

11۔ مکتوبات سرسید احمد بنام منشی ممتاز علی، لاہور، مکتوبات سرسید، مرتبہ اسماعیل پانی پتی، ص147، جلد دوم۔ (لاہور: 1985ء)

12۔ مجموعہ مکاتیب شاہ ولی اللہ، مرتبہ شاہ محمد عبدالرحمٰن پھلتی، مکتوب یک صد و چہل و ہفت (147) جو نسخہ مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی میں مکتوب 41 کے تحت حصہ دوم میں درج ہے۔ (رام پور 1425ھ/2004ء)

13۔ الف: التفهيمات الالٰهيه، تفهيم: 57، مطبوعہ بجنور ص57، ج02۔
ب: مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی (حیدرآباد، ص65، ج02، سندھ بلاسن)

14۔ ملاحظہ ہو: مقدمه عمدة الرعاية حاشيه شرح وقايه، ص130، اندراج: 39، جلد اول (مطبع مجتبائی دہلی: 1337ھ)

15۔ تذکرۂ کاملان، رام پور، ص23 (پٹنہ، 1986ء)

www.rahimia.org

ملاحظات

(از: مدیر اعلیٰ)

1۔ یہاں پر خواجہ محمد امین کے نام کے ساتھ ''ٹھٹھوی'' کا تذکرہ کرنے میں فاضل مقالہ نگار کو سہو ہوا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افادات و ملفوظات کے مسودات لکھنے اور انھیں صاف کرنے والوں میں خواجہ محمد امینؒ شامل ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفہیماتِ الٰہیہ، جلد اول کی ایک تفہیم میں لکھا ہے:

''و المطلوب من أخينا المشار إليه و ذريّتِهٖ أن يُشركوا معهم فی الدُّعاء لأنفسهم، أخانا خواجه محمّد امين كان اللّٰه لهٗ، الكاتب لهٰذه الصحيفة و الباعث علٰى تسويدها، زاد اللّٰه تعالٰى فی توفيقهٖ'' (تفهيماتِ الٰهيه، تفهيم 48 ، ص174، جلد اول، طبع حيدر آباد، سندھ)

یہ خواجہ محمد امین ''کشمیری ولی اللّٰہی'' ہیں، ''ٹھٹھوی'' نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ٹھٹھہ سندھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اجازت یافتہ مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سندھیؒ (متوفی 1161ھ/ 1740ء) ہیں۔ ایک تو دونوں حضرات کے ناموں میں فرق ہے، اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ''خواجہ'' کا لقب کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ ٹھٹھہ اور سندھ کے اطراف میں علما و فضلا کے لیے ''مخدوم'' کا لقب استعمال ہوتا ہے۔ مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ شاہ صاحبؒ کے خلفا میں سے ضرور ہیں، لیکن انھوں نے زیادہ عرصہ شاہ صاحبؒ کی صحبت اختیار نہیں کی۔ سب سے پہلے سفرِ حج کے موقعے پر، جب کہ دوسری دفعہ دہلی کے اپنے سفر اور قیام کے دوران شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہے۔ نیز ان کے تذکرہ نگاروں نے کہیں بھی شاہ صاحبؒ کے افادات و ملفوظات کے مرتب کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مخدوم محمد معین ٹھٹھویؒ کے والد کا نام اگرچہ محمد امین ہے، لیکن ان کی شاہ صاحبؒ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ بلکہ خود مخدوم ٹھٹھویؒ شاہ صاحبؒ سے عمر میں بیس سال بڑے ہیں۔ اور خواجہ محمد امین کشمیریؒ ولی اللّٰہی شاہ صاحبؒ کے ان مخصوص تربیت یافتہ اصحاب میں سے ہیں، جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بھی استاذ ہیں۔ اور شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار اور فلسفہ و فکر سے گہرے تعلق اور محبت ہی کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ ''ولی اللّٰہی'' استعمال کرتے ہیں۔ آپؒ کشمیری نژاد تھے۔ اور دہلی میں مقیم رہے۔ آپ کا انتقال 1187ھ/ 1773ء کو دہلی میں ہوا۔

2۔ شاہ صاحبؒ کی تصنیفات و تالیفات اور افادات و ملفوظات کے حوالے سے جو ''کئی طرح کی تقسیم'' فاضل مقالہ نگار نے کی ہے، یہ محض کتابی ترتیب کی تفہیم کے لیے ہے۔ ورنہ شاہ صاحبؒ کی تمام تصنیفات، تفہیمات، افادات و ملفوظات اور مکتوبات وغیرہ تمام تحریرات کی نسبت شاہ صاحبؒ کی جانب صحیح اور درست ہیں۔ اور ان کی استنادی حیثیت قطعی ہے۔ شاہ صاحبؒ کی تمام تصنیفات عام طور پر خود ان کی تحریر کردہ ہیں۔ اور اگر ان کے کچھ افادات و ملفوظات کسی نے قلم بند کیے ہیں، تو شاہ صاحبؒ نے اس کی اصلاح اور درستگی کی ہے۔ چناں چہ مولانا محمد عاشق پھلتیؒ وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے، شاہ صاحبؒ کی نظر سے ضرور گزرا ہے۔ اور شاہ صاحبؒ نے اس کی تصدیق و تائید کی ہے۔ اسی لیے ''القول الجلی'' جو اگرچہ مولانا محمد عاشق پھلتیؒ کی تالیف و ترتیب ہے، لیکن اس میں بھی بیان کردہ افادات و ملفوظات کی اصلاح و درستگی خود شاہ صاحبؒ نے کی ہے۔ مولانا محمد عاشق پھلتیؒ ''القول الجلی'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہیچ دریں رسالہ بقید قلم نیامدہ مگر کہ بر آنجناب (شاہ ولی اللہ) مکرر عرض شدہ، و بشرف اصلاح تشریف یافتہ۔'' (ص04)

(کوئی چیز اس رسالے میں زیر قلم نہیں آئی، مگر یہ کہ آنجناب (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے اسے کئی بار بیان فرمایا اور (جو کچھ

تحریر کیا گیا) وہ اصلاح اور درستگی کے شرف سے مشرف ہوا ہے۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''القول الجلی'' کی قسم اول اور قسم دوم، ___ جو آپ کی کرامات وکشوف اور ارشادات وافادات پر مشتمل ہے ___ معرضِ تحریر میں آنے کے بعد شاہ صاحبؒ کی نظر اصلاح سے گزری ہیں۔ یوں وہ دراصل شاہ صاحبؒ کی تحریر شمار کی جائے گی۔ الغرض شاہ صاحبؒ کی تمام تالیفات وتحریرات اور مکتوبات شاہ صاحبؒ کی اپنی تحریر کردہ ہیں۔ اگر کسی سے تحریر کرائی گئی ہیں تو اس پر آپؒ کی اصلاح اور نظر ثانی ہوئی ہے۔ ''التفهيمات'' میں بھی تحریر کردہ تمام مواد حضرت شاہ صاحبؒ کا اپنا ہے۔ اس کی کوئی تفہیم شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ البتہ کتاب میں تفھیموں کی ترتیب وتدوین مولانا محمد عاشق پھلتیؒ کی ہوسکتی ہے، لیکن شاہ صاحبؒ کے ایک مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترتیب سے متعلق ہدایات بھی شاہ صاحب خود دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کا یہ جملہ ''بعض مبشرات وخطب باُوجمع کردہ تمام نمایند'' کتاب کی ترتیب کے بارے میں واضح ہدایت کی نشان دہی کر رہا ہے۔

3۔ تفہیمات کے ''نسخہ لاہور'' کا اصل مخطوطہ ہمارے سامنے ہے۔ اس نسخے کے آخری ورق پر ''قطب المحققين'' کے بعد صحیح عبارت اس طرح ہے: ''قطب المحقّقين، لسان الله، الشيخ ولى الله، مدّ الله ظلال إرشاده، بيد الفقير الحقير محمّدعاشق كان الله لهٗ، و عفى عنهٗ.'' فاضل مقالہ نگار نے غالباً فوٹو کاپی سے پڑھ کر ترقیمۂ کاتب کی عبارت لکھی ہے۔ اس لیے صاف طور پر نہ پڑھے جانے کی وجہ سے عبارت میں فرق پایا جاتا ہے۔ تفہیمات کا یہ نسخہ لاہور اس وقت لاہور کے وقیع تعلیمی ادارے ''پنجاب یونیورسٹی'' کی لائبریری کی زینت ہے۔ ہم نے وہاں خود جا کر اس کی زیارت کی ہے۔ بلاشبہ یہ نسخہ بہت صاف اور عمدہ حالت میں ہے۔

4۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کی جانب سے مولانا قاسمیؒ کی تحقیق سے ''تفهيمات'' جلد ثانی 1387ھ/ 1967ء میں پہلی بار چھپی تھی۔ ہمارے سامنے جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس پر یہی سن طبع شدہ ہے۔ اس کے ری پرنٹ پر سن طبع شدہ نہیں۔ غالباً فاضل مقالہ نگار کی نظر سے جلد ثانی کی پہلی اشاعت نہیں گزری۔ جب کہ جلد اول کا ری پرنٹ 1418ھ/ 1997ء میں ہوا تھا۔

5۔ فاضل مقالہ نگار نے تفہیمات کی ردّ وبدل کے حوالے سے جو رائے قائم کی ہے، اس کی بنیاد ''نسخہ لاہور'' ہے۔ اس نسخے کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ وہ مرتب کے قلم سے ہے اور حضرت مصنف علامؒ کی زندگی میں لکھا گیا ہے، وہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس کی کتابت (1146ھ) کے بعد مصنف علامؒ (متوفی 1176ھ) اور مرتّبؒ (متوفی 1187ھ) بالترتیب تیس چالیس سال تک بقیدِ حیات رہے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس ''نسخہ لاہور'' کی کتابت کے بعد مصنف یا مرتب نے تفہیمات کی ترتیب وتدوین میں ردّ وبدل کیا ہو۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ ان تبدیل شدہ نسخوں کو بنیاد بنا کر مجلس علمی ڈابھیل کے ممتاز علما نے تفهيمات کے مطبوعہ نسخے کی ترتیب قائم کی ہو۔ خاص طور پر جب کہ مولانا احمد رضا بجنوریؒ نے تصریح کی ہے کہ ''تفیہمات'' کی ترتیب اور تقدیم وتاخیر میں ''نسخہ سہارنپور'' کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس لیے تفہیمات کی ترتیب کے حوالے سے کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ التفهيمات الالٰهيه کے تمام دستیاب قلمی نسخے پیش نظر رکھے جائیں۔ اور ان کے باہمی تقابل سے اس کا تحقیقی متن مرتب کیا جائے۔

www.rahimia.org

تعارف مخطوطات

ایک اہم مخطوطے کا تعارف

شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تصنیف ''رسالة في التاريخ''

(عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ)

ترجمہ و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

تمہید

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادگانؒ کی کتابیں اور تحریرات بلاشبہ بڑی وقیع حیثیت کی حامل ہیں۔ برعظیم پاک و ہند کی امت مسلمہ کے لیے خاص طور پر اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے بالعموم ان حضرات کی کتابیں دینی علوم و معارف، فلسفہ وفکر کی تدوین، تاریخی معلومات، سماجی تعمیر وتشکیل، سیاسی شیرازہ بندی اور معاشی اور اقتصادی مسائل کے حل کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لیے عام طور پر علوم و معارف کے شائقین خانوادۂ ولی اللّٰہی کی کتابوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلام دہلی کی لائبریری میں

اسی پس منظر میں 2006ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں راقم سطور کا ہندوستان کے سفر پر جانا ہوا تو ولی اللّٰہی علوم کی کتابوں کی تلاش میں ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' دہلی بھی جانا ہوا۔ یہ ایسا مرکز ہے، جس کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ اس مرکز کی تاسیس ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے اہم رہنما حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ نیز اس مرکز میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہندوستان واپسی کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین، رئیس الجامعہ کی درخواست پر ایک طویل عرصے تک قیام پذیر رہے۔ اور جامعہ میں ''بیت الحکمت'' قائم کر کے علومِ ولی اللّٰہی کے فروغ کے لیے کام کیا۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

> ''ہم جب کبھی جامعہ ملیہ (دہلی) میں گئے، ''بیت الحکمت'' بنانے کی دعوت دیتے رہے۔ بالآخر 17 نومبر 1940ء کو جامعہ نگر میں ''بیت الحکمت'' کا افتتاح ہوگیا۔....ہم ''بیت الحکمت'' میں قرآن عظیم کے ساتھ حضرت حکیم الہند امام ولی اللہؒ (دہلوی) کا فلسفہ اور حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی کتابیں پڑھاتے ہیں۔'' (1)

www.rahimia.org

جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے وقیع تعلیمی ادارے میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی ہے۔ ایک زمانے میں اس میں ولی اللّٰہی علوم کی کتابوں کو خاص طور پر جمع کیا گیا تھا۔ یہ لائبریری اب ''ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری'' کہلاتی ہے۔

''ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری'' میں ایک اہم مخطوطے کی دریافت

اسی تناظر میں اس سفر کے دوران ہم حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خانوادے کی کتابوں کی تلاش میں ''ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری'' جامعہ ملیہ اسلامیہ پہنچے۔ اور لائبریرین صاحب اور مخطوطات سیکشن کے انچارج کے بھرپور تعاون سے لائبریری کے مخطوطات سیکشن کا تفصیلی جائزہ لیا۔ اس دوران حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے حضرت الامام شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تصانیف پر مشتمل ایک اہم ترین قلمی مخطوطہ ہمارے سامنے آیا۔ ہم نے فوراً لائبریرین صاحب کی خدمت میں اس مخطوطے کی فوٹو کاپی اور عکسی نقل کے لیے درخواست کی۔ انھوں نے اور انچارج شعبۂ مخطوطات نے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ لیکن کچھ تکنیکی اور دیگر وجوہات کے سبب فوری طور پر اس مخطوطے کا عکس، ہمیں دستیاب نہ ہوسکا۔ دو تین سال بار بار کی یاددہانیوں اور دوستوں کے پیہم اصرار اور کوشش سے آخر کار 2009ء میں ہمیں اس مخطوطے کی عکسی نقل پر مشتمل کمپیوٹر C.D دستیاب ہوسکی۔

بہرحال اس کی دستیابی پر ہم لائبریرین جناب ڈاکٹر غیاث مخدومی اور مخطوطات سیکشن کے انچارج سید گل حسن کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جدوجہد اور کوشش کرنے والے اپنے تمام احباب خاص طور پر پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین ہمدانی پروفیسر شعبہ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی، مولانا محمد مزمل الحق الحسینی، پروفیسر راشدالاسلام سنبھلی اور پروفیسر شکیل احمد اساتذہ جامعہ ملیہ کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنھوں اس مخطوطے کے حصول کے لیے ہر طرح کوشش کی اور بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مخطوطے کی اہمیت اور خصوصیات

مخطوطے کی C.D دستیاب ہونے کے بعد اس کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔ اس دوران اس کی اہمیت اور خصوصیات کا پتہ چلا۔ اس مخطوطے کے سرورق پر کاتب کے قلم سے درجِ ذیل عبارت لکھی ہے:

"مافی هذا المجموع من تصانيف مولانا رفيع الدين دهلوی

تکمیل، رسالۂ علم، رسالۂ تواریخ، رسالۂ عروض، رساله اعتباراتِ ماهيت" (2)

اس سے مخطوطے کا نام، مصنف کا نام اور اس میں موجود رسائل اور ان کے ناموں کا علم ہوتا ہے۔ اس کے تفصیلی مطالعے سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کے مندرجہ بالا پانچ رسائل اپنی مکمل شکل میں اس مجموعے کا حصہ ہیں۔ یہ مخطوطہ بڑی عمدہ تحریر کے ساتھ خطِ نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ اور صاف طور پر پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ قدرے کرم خوردہ ہے، لیکن مخطوطے کی تمام عبارتیں واضح طور پر پڑھی جاتی ہیں۔ کوئی حصہ کٹا پھٹا نہیں ہے۔

www.rahimia.org

یہ مخطوطہ 21×13 سینٹی میٹر سائز کے کل 108 اوراق پر مشتمل ہے۔ اس طرح کل 216 صفحات بنتے ہیں۔ ہر ایک صفحے کی 14 سطریں ہیں۔ ہر ایک رسالے کے اختتام پر ایک سے 04 تک صفحات خالی ہیں۔

اس مخطوطے کے مالک اور واقف غالباً حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ شاگردِ رشید حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں۔ اس لیے کہ ورق اول پر ان کی یہ تحریر لکھی ہوئی ہے:

"مجموعه تصانیف مولوی رفیع الدین دهلوی از کتب مدرسه عمر مفخر المراجع و مرجع المفاخر وانا العبد الواقف الخاتم." (3)

اس کے نیچے ایک مہر ثبت ہے، جس میں غالباً ''مفتی الٰہی بخش'' لکھا ہوا ہے۔

اس مخطوطے کے بعض رسائل کے آخر میں کاتب کی جانب سے لکھی گئی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ اس مخطوطے کے کاتب حضرت علامہ مولانا سید امین الدین احمد الجلیسری القادری ہیں۔ اس مخطوطے کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اس کی کتابت حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی زندگی میں کی ہے۔ اس طرح یہ مخطوطہ اس حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ حضرت مصنف کی زندگی اور ان کی موجودگی میں لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض رسائل کے آخر میں انھوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

مولانا سید امین الدین احمد جلیسریؒ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے خاص شاگرد اور بہت عمدہ استعداد کے حامل بلند درجہ عالم ہیں۔ یہ بہار کے رہنے والے تھے۔ اور شاہ صاحبؒ کے خانوادے سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ انھوں نے خود بھی علومِ ولی اللّٰہی کے فروغ کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

مخطوطے کے اہم رسائل؛ ایک جائزہ

اس مخطوطے میں حضرت الامام شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے درجِ ذیل پانچ اہم ترین رسائل شامل ہیں:

1۔ تکمیل لصناعة الأذهان:

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کی یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''تمہید'' اور ''خطبات و مقالات'' میں اس کا تذکرہ بڑے وقیع انداز میں کیا ہے۔ اور اسے نصابِ تعلیم کا حصہ بنانے کی سفارش کی ہے۔ جب کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے تکمیلی نصاب کا بھی حصہ رہی ہے۔ یہ کتاب چار بنیادی علوم کی تشریح کے لیے درجِ ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے:

(i) علم منطق (ii) تحصیل علوم (iii) مباحث اُمورِ عامہ (iv) فن تطبیق الآرا

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ کتاب اس مخطوطے کے ورق نمبر 02 سے ورق نمبر 73 تک ہے۔

اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''الحمد للّٰہ الهادی القریب المجیب، و الصّلوٰة علیٰ محمّدٍ نبیّه الخاتم الحبیب، و علیٰ آلہٖ و علیٰ حُماة الحقّ من مرشد و مصیب. فیقول محمّد رفیع الدّین المنیب: هٰذا تکمیل لصناعة الأذهان، یعجب اللبیب، موجز، مریع التّبویب، و ربّ هَبُ لہٗ من القبول و النّفع أوفر النّصیب ... الخ'' (4)

''سب تعریفیں اُسی اللہ ہی کی ہیں، جو ہدایت دینے والا انتہائی قریب اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ اور درود وسلام ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جو اُس کے آخری نبی اور حبیب ہیں۔ اور آپؐ کی آل پر اور سیدھے راستے پر چلنے والے لوگوں اور حق کی حمایت کرنے والوں پر۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا محمد رفیع الدین کہتا ہے کہ: یہ کتاب اذہان کی ترقی سے متعلق علوم کی تکمیل کے لیے لکھی گئی ہے۔ جس کو ہر عقل مند آدمی عمدہ نگاہوں سے دیکھے گا۔ یہ انتہائی مختصر کتاب ہے۔ اور اس کے باب بڑی عمدگی سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ اے ربّ! اس کو بڑی قبولیت عطا فرما۔ اور اس کا نفع بہت زیادہ نصیب والا بنا۔''

اس کتاب کے اختتام پر حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی عبارت درجِ ذیل ہے:

''وهذا حین الإتمام فی المقام، والحمد للّٰہ علی التوفیق والإنعام، والصّلوٰة علی شفیعنا و هادینا محمّد مع السّلام. وصالح الثّناء والدّعا لأساتذتنا الکرام، و سوال الفتح والبرکة مِن اللّٰہ لمن انتفع بهذا الکلام. روز چهار شنبه چهارم ربیع الأوّل ۱۲۳۰ هجری (۱۳/فروری ۱۸۱۵ء). تألیف إین رساله باختتام رسید.''(5)

''اس رسالے کی مکمل ہونے کا یہ مقام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے کہ اُس نے یہ رسالہ لکھنے کی توفیق دی۔ اور اپنے انعامات سے نوازا انعام عطا فرمایا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام ہو، جو ہمیں ہدایت دینے والے اور ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ اور ہمارے معزز اساتذہ کرام کے لیے بہترین تعریف اور دعا ہے۔ اور جو آدمی اس کتاب سے نفع اٹھائے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے برکت اور کشادگیِ علم کا سوال ہے۔ بدھ کے روز، 4/ ربیع الاول 1230ھ (13 فروری 1815ء) کو اس رسالے کی تالیف اپنے اختتام کو پہنچی۔''

شاہ صاحبؒ کی اس عبارت کے بعد اس مخطوطے کے کاتب سید امین الدین احمد نے کتابت کی تاریخ، وقت، مقام اور اپنا نام اور تعارف تحریر کیا ہے۔ چناں چہ کاتب لکھتے ہیں:

''قد وقع الفراغ من تحریر هذه الرّسالة الشریفة یوم الثّلثاء السّابع والعشرین من شهر رجب ۱۲۳۳هجریّة (۲/ جون ۱۸۱۸ میلادی) فی بلدة میرتھ وقت معاودتنا من سفر سهارن فور حین کنت برکاب استاذی و قبلتی أعنی مؤلّف هذه الرسالة أدام اللّٰہ

برکاتہٗ علی رؤس الطالبین. وأنا العبد الضّعیف السیّد امین الدّین احمد الجلیسری توطّناً، والقادری نسباً، و سلسلةً غفر اللّٰہ لنا ولھم أجمعین.'' (6)

''اس بہترین رسالے کی تحریر سے فراغت منگل کے روز 27/ رجب 1233ھ (2/ جون 1818ء) کو میرٹھ شہر میں اس وقت ہوئی، جب ہم اپنے استاذ اور قبلہ و کعبہ یعنی اس رسالے کی مصنف کی ہمراہی میں سہارن پور سے واپس لوٹ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ طالبین کے سروں پر ہمارے استاذ کی برکتیں ہمیشہ قائم رکھے۔ اور میں کمزور بندہ سید امین الدین احمد ہوں، وطن حوالے سے جلیسری، نسب اور سلسلے کے اعتبار سے قادری ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ان تمام حضرات کو معاف فرمائے۔''

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کی کتابت حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی زندگی میں اور ان کی معیت میں کیے گئے ایک سفر کے دوران ہوئی۔ جب کہ شاہ صاحبؒ کا انتقال 06/شوال 1233ھ/09/اگست 1818ء کو ہوا ہے۔ گویا شاہ صاحبؒ کے انتقال سے تقریباً دو ماہ پہلے اس رسالے کی کتابت مکمل ہوتی ہے۔

''تکمیل الاذہان'' کا یہ قلمی نسخہ اس حوالے سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس کتاب کے اب تک دستیاب قلمی نسخے شاہ صاحبؒ کے انتقال کے تقریباً 20 سال بعد کے تحریر کردہ ہیں۔ مولانا عبدالحمید سواتیؒ نے اس کتاب کو مکمل طور پر 1383ھ (1964ء) میں پہلی مرتبہ شائع کیا تھا۔ انھوں نے یہ کتاب نواب صدیق حسن قنوجیؒ کی ''ابجد العلوم'' سے نقل کی تھی۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے جو قلمی نسخے ان کے سامنے تھے، ان میں ایک نسخہ 1251ھ کا تحریر کردہ ہے۔ جب کہ دوسرا قلمی نسخہ 1307ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور یہ دونوں مخطوطے ناقص ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی ''ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری'' میں موجود یہ قلمی نسخہ اس حوالے سے بڑا اہم ہے کہ یہ ایک تو مصنف علامؒ کی موجودگی اور ان کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے کاتب سید امین الدین احمد جلیسری شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے رمز شناس اور ہر وقت حاضر باش اعلیٰ صلاحیت والے فرد ہیں۔

''تکمیل الاذہان'' کی آئندہ کسی بھی اشاعت کے لیے یہ نسخہ پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔

2۔ رسالہ مقدمة العلم والکتاب:

اس مخطوطے کا دوسرا رسالہ ''رسالة مقدمة العلم والکتاب'' ہے، جو ورق نمبر 74 سے شروع ہو کر 77 تک ہے۔ اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''الحمد للّٰہ وحدہٗ، و الصّلوٰة علٰی نبیّ الّذی لانبیّ بعدہٗ، و علٰی آله و أصحابه، الّذین حفظوا عھدہٗ. و بعد ھٰذا یقول العبد المسکین محمّد رفیع الدّین ــــ أدخله اللّٰه فی زُمرة السّابقین ــــ المقدّمة تطلق علٰی اُمور:...الخ'' (7)

''سب تعریفیں اُسی اللہ کے لیے ہیں، جو اکیلا ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام ہو اُس نبی پر، جس کے بعد کوئی

نبی نہیں۔ اور اُن کی آل پر اور ان کے صحابہؓ پر، جنھوں نے اپنے عہد کو پورا کیا۔ اس کے بعد بندۂ مسکین محمد رفیع الدین ــــ اللہ اُسے گزشتہ بزرگوں کی جماعت میں داخل کرے ــــ کہتا ہے کہ: مقدمے کا اطلاق چند اُمور پر ہوتا ہے.... الخ''

اس رسالے کی آخری عبارت ہے:

''و العلم عند اللّٰہ و الصّلوٰۃ علی رسولہٖ محمّد و آلہ و صحبہٖ أجمعین.'' (8)

اس نسخے کے آخر میں کاتب نے کتابت کی تاریخ نہیں لکھی، البتہ تحریر انھیں کاتب صاحب کی ہے۔

یہ رسالہ بھی مولانا عبدالحمید سواتیؒ نے 1383ھ/ 1964ء میں شائع کیا تھا۔ لیکن ان کے پیش نظر اس رسالے کا کوئی قلمی نسخہ نہیں تھا، بلکہ انھوں نے یہ رسالہ آغاز و اختتام کے بغیر ''ابجد العلوم'' سے نقل کر کے شائع کیا ہے۔ اس کا معلوم قلمی نسخہ زیر بحث مخطوطے کا حصہ ہے۔

3۔ رسالة فی التاریخ:

اس مخطوطے کا تیسرا رسالہ ''رسالة فی التاریخ'' ہے، جو ورق نمبر 80 سے 85 تک کے اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''الحمد للّٰہ الّذی لا أوّل لأوّلیّتہٖ و لا آخر لآخریّتہ و السّلام علیٰ محمّد نبیّہ و صفیّہ من بریّتہ و خلیفتہ من خلیقتہ، و علیٰ آلہ و أصحابہ الذین تأدّبوا بسیرتہ و تمسکوا بسجیّتہٖ. و بعد ھٰذا یقول العبد الضعیف محمد رفیع الدّین ــــ ألحقہ بسلفہ الصّالحین و جعل لہ لسان صدق فی الآخرین ــــ أن للنّاس فی العالم مذاھب ثلاثة ... الخ'' (9)

''سب تعریفات اُسی اللہ کے لیے ہیں، جس کے اول ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور نہ جس کے آخر ہونے میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اور درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو اس کے نبی ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں منتخب شدہ ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں اس کے خلیفہ ہیں۔ اور درود و سلام ہو ان کی آل اور ان کے اصحاب پر، جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے آداب کا شعور سیکھا۔ اور آپؐ کی عادات و کردار کو بڑی مضبوطی سے اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ اس کے بعد کمزور بندہ محمد رفیع الدین ـــــ اللہ تعالیٰ اسے اپنے گزشتہ نیک بندوں کے ساتھ شامل کرے۔ اور بعد والوں میں اس کے بارے میں سچائی کی زبان برقرار رکھے ـــــ یہ کہتا ہے کہ: انسانیت کے حوالے سے لوگوں کے تین مذاہب ہیں۔... الخ''

اس رسالے کا اختتام اس طرح ہوتا ہے:

''فإن جمھور أھل التاریخ و منھم صاحبا ''تاریخ القدس'' و ''الخلیل'' و ''تقویم

www.rahimia.org

التواريخ" قد خلطا الأمر و غفلا عن التميز و اللّٰه الهادى." (10)

''اکثر اہل تاریخ ـــــ جن میں ''تاریخ القدس والخلیل'' اور ''تقویم التواریخ'' کے مصنّفین بھی شامل ہیں ـــــ نے تاریخ کا معاملہ انتہائی گڈمڈ کر دیا ہے۔ اور صحیح فرق و امتیاز سے غفلت برتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے۔''

اس رسالے کے آخر میں بھی کاتب صاحب نے کتابت کی تاریخ نہیں لکھی۔

اس رسالے کے ایک مخطوطے کا تذکرہ مولانا عبدالحمید سواتیؒ نے کیا ہے۔ اور اسے انھوں نے ''مجموعہ رسائل (حصہ دوم) از شاہ رفیع الدین دہلویؒ'' میں شامل کر کے 1414ھ/ 1993ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے مقدمے میں لکھا ہے کہ: ''یہ رسالہ بھی مخطوطہ ہے۔ اور پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے۔'' لیکن انھوں نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ یہ مخطوطہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوا ہے۔

"رسالة فى التاريخ" کے اس مطبوعہ نسخے میں کافی اغلاط ہیں۔ متن کی بعض عبارات حواشی میں درج کی گئی ہیں۔ بعض مقامات سے عبارت غائب ہے۔ اس کا سبب بھی مقدمہ نگار نے یہ لکھا ہے کہ: ''مسودہ پڑھا نہ جا سکا۔'' جب کہ زیرِ نظر مخطوطے میں اس رسالے کا قلمی نسخہ بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس کا عربی متن اور اردو ترجمہ تحقیق و تخریج کے ساتھ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

4۔ رسالة مقدمة العروض و القافيه:

اس مخطوطے کا چوتھا رسالہ "رسالة مقدمة العروض و القافيه" ہے۔ اور اس کا آغاز ورق نمبر 86 سے ہوتا ہے۔ اور ورق نمبر 93 پر اس کا اختتام ہے۔ اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"الحمد للّٰه ربّى، و الصّلٰوة علٰى محمّد حبيبه و حبّى، و علٰى آله و صحبه الّذين حبّهم حسبى. و بعد يقول العبد المسكين محمّد رفيع الدّين ــــ ألحقه اللّٰه بسلفه الصّالحين ــــ الشّعر كلام قصد له وزن و قافية ... الخ" (11)

''سب تعریفیں اُسی اللہ ہی کے لیے ہیں، جو میرا ربّ ہے۔ اور درود و سلام ہو محمدؐ پر، جو اُس کے حبیب اور میرے محبوب ہیں۔ اور آپؐ کی آل اور اصحابؓ پر کہ اُن کی محبت میرے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد بندۂ مسکین محمد رفیع الدین ــــ اللہ اُسے سلف صالحین میں شامل کرے ــــ کہتا ہے کہ: شعر ایک ایسا کلام ہے، جس میں وزن اور قافیہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔..الخ''

اس رسالے کا اختتام اس طرح ہوتا ہے:

"ولم يكن للعربِ قديمًا إلا الغزل، و القصيدة، و القطعة، و المتأخّرون أخذوا جميعها من العجم. و اللّٰه أعلم." (12)

''قدیم زمانے میں عربوں میں صرف غزل، قصیدہ اور قطعہ ہوا کرتا تھا، لیکن متأخرین (عرب) نے باقی تمام قسمیں اہلِ عجم سے اَخذ کرلی ہیں۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔''

اس کے آخر میں کاتب صاحب نے درجِ ذیل عبارت لکھی ہے:

''تمت الرّسالة الميمونة المسمّاة بِ''مقدمة العروض والقافية'' من تصنيف أعلم العلماء و أفضل الفضلاء أعني مولانا و أستاذنا محمّد رفيع الدّين الدهلوي أبّد اللّٰه ظلاله على رؤسنا. و أنا العبد الضّعيف المحتاج إلى رحمة ربّه الصّمد السيّد أمين أحمد عفىٰ اللّٰه عنه سيّاتِه في العشرين خلت من جُمادىٰ الأخرى ١٢٣٣ (٢٨/ إبريل ١٨١٨ء) ألف و مائتين و ثلاثة و ثلاثين من الهجرة النّبويّة عليه من الصّلوات أفضلها، و من التّحيّات أكملها، وعلى آله و أصحابه أجمعين. برحمتك يا أرحم الرّاحمين.'' (13)

''بابرکت رسالہ، جس کا نام ''**مقدمة العروض و القافية**'' ہے، مکمل ہوا۔ اور یہ رسالہ علما میں سب سے بڑے عالم اور فضلا میں افضل ترین فرد کی تصنیف ہے۔ اس سے میری مراد مولانا و استاذنا محمد رفیع الدین دہلوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور میں بندۂ ضعیف اپنے ربِّ صمد کی رحمت کا محتاج سید امین احمد دہلوی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے۔ اس کی تکمیل کی تاریخ 20/ جمادی الاخریٰ 1233ھ (28/ اپریل 1818ء) ہے۔ نبی اکرمؐ کی ہجرت سے اس سن کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلام بھیجے۔ اور آپؐ کی تمام آل و اصحابؓ پر بھی۔ اور اے ارحم الراحمین! تیری رحمت کے ہم امیدوار ہیں۔''

یہ رسالہ اب تک کی معلومات کے مطابق طبع نہیں ہوا ہے۔ یہ رسالہ عروض اور قافیہ کے قوانین اور قواعد کا انتہائی مختصر الفاظ میں جامع خلاصہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلے شعر کی تعریف کی ہے: ''**الشّعر: كلامٌ قُصد لهٗ وزن و قافية**'' یعنی شعر ایک ایسا کلام ہے، جس میں وزن اور قافیے کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پھر وزن کی تعریف، اس کی اقسام اور بحروں کے بنیادی قوانین کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے بعد قافیے کی تعریف، اقسام اور اس کے بنیادی قوانین کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

5۔ رسالہ اعتباراتِ ماہیت:

اس مخطوطے کا پانچواں اور آخری رسالہ ''**رسالہ اعتباراتِ ماہیت**'' ہے۔ اس کا آغاز ورق نمبر 95 سے ہوتا ہے۔ اور 106 پر اختتام ہوتا ہے۔ اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''الحمد للّٰه القدّوس الغنيّ المجيد، و الصّلوٰة و السّلام علىٰ نبيّهٖ محمّدٍ السيّد الشّافع الشّهيد، و علىٰ آلهٖ و أصحابه الّذين كلّهم مقبولٌ و سعيد. أمّا بعد! فيقول العبد

المسکین محمّد رفیع الدّین ــــ رزقه اللّٰه حقّ الیقین، و ألحقهٗ بسلفه الصّالحین ــــ هٰذهٖ مقالة فی شرح مسألة منطقیة تصوریّةٍ. حرّرتُها بتوفیق خالق البریّة ... الخ'' (14)

''سب تعریفیں اُسی اللہ ہی کے لیے ہیں، جو پاک ہے، غنی ہے اور بزرگی والا ہے۔ اور درود و سلام ہو اُس کے نبی محمدؐ پر، جو شفاعت کرنے والے سردار اور اُمت کے گواہ ہیں۔ اور آپؐ کی آل اور اصحاب پر، جو سب کے سب مقبول اور نیک بخت ہیں۔ اس کے بعد بندۂ مسکین محمد رفیع الدین ــــ اللہ تعالیٰ اسے حق الیقین عطا کرے اور اسے سلفِ صالحین میں شامل کرے ــــ: یہ مقالہ تصورات کے ایک منطقی مسئلے کی شرح میں ہے۔ جسے میں نے مخلوق کے خالق کی توفیق سے تحریر کیا ہے۔... الخ''

اس رسالے کا اختتام اس طرح ہوتا ہے:

''و عند هٰذا إنتهٰی ما أردنا إیراده فی هٰذه الرّسالة و الحمد للّٰه الولیّ الرّحیم و الصّلٰوة و السّلام علٰی محمّدٍ نبیّه الکریم.'' (15)

''یہ وہ آخری بات ہے، جس کا ذکر کرنے کا اس رسالے میں ہم نے ارادہ کیا ہے۔ اور سب تعریفیں اُسی اللہ ہی کے لیے ہیں، جو ولی ہے، رحم کرنے والا ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو اُس کے معزز نبی ہیں۔''

اس رسالے کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے:

''قد وقع الفراغ من تحریر هذه الرّسالة یوم السّبت الثّامن من شعبان من بلدة شاهجهان آباد عند مؤلّفها سلّمهٗ ربّه فی السّنة ۱۲۳۳ الهِجریّة النّبویّة.'' (16)

''ہفتے کے روز 08 رشعبان کو شہر شاہ جہان آباد (دہلی) میں مؤلف کے پاس بیٹھ کر 1233ھ (13 جون 1818ء) میں اس رسالے کی تحریر سے فراغت حاصل ہوئی۔''

اس رسالے کا ایک مخطوطہ مولانا سواتی صاحبؒ کے پیشِ نظر بھی ہے۔ اور انھوں نے اس کی بنیاد پر مجموعہ رسائل از شاہ رفیع الدین دہلویؒ جلد دوم میں اسے 1414ھ/ 1993ء میں شائع کیا ہے، لیکن اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کی ہے کہ یہ مخطوطہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوا ہے۔ زیرِ نظر مخطوطہ اس خصوصیت کا حامل ہے کہ یہ حضرت مصنف علامؒ کے انتقال 06 رشوال 1233ھ/ 09 راگست 1818ء سے دو ماہ پہلے ان کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔

اس مخطوطے کے ورق نمبر 107 پر اردو اور انگریزی میں درجِ ذیل مہر ثبت ہے:

''کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی National Muslim University Dilhi''

اس مخطوطے کا ورق نمبر 108 خالی ہے۔

www.rahimia.org

عالمِ انسانیت کی مختصر تاریخ

(حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی تصنیف ''رسالۃٌ فی التّاریخ'' کا اردو ترجمہ)

ابتدائی تعارف اور مضامین کا خلاصہ

انسانی معاشروں میں تاریخ کی اہمیت

انسانی معاشروں کی تشکیل کے لیے اوقات و ایام کی تاریخی ترتیب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ماہ وسنین کی صحیح ترتیب کی بنیاد پر ہی درست تقویمات اور کیلنڈر وجود میں آتے ہیں۔ اور اسی کے ذریعے سے انسانوں کی سماجی تاریخ کے اہم واقعات کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس طرح تاریخی واقعات کا تحلیل و تجزیہ اور تاریخی ادوار کے ارتقا کے اہم پہلو آنے والی نوجوان نسل کے سامنے آتے ہیں۔ نیز تقویمات اور کیلنڈر کی بنیاد پر ہی سماجی نظام ہائے حیات قائم کیے جاتے ہیں۔ اس طرح ہر سماجی تشکیل میں تاریخی حوالے سے مرتب کردہ تقویمات بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

''تاریخ'' کے حوالے سے خانوادۂ ولی اللّٰہی کا کردار

خانوادۂ ولی اللّٰہی کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے انسانی سماج کی تشکیل کے اہم علوم کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ اس تناظر میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے اہم ترین حضرات نے انسانی تاریخ کے حوالے سے بھی اپنی تحریرات قلم بند کی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''تاویل الاحادیث'' کے عنوان سے انبیا علیہم السلام کے قصص اور واقعات کو ایک خاص تاریخی ترتیب اور ارتقاقات کے تاریخی ارتقا کے تناظر میں مرتب اور مدوّن کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ قرآنی قصص کے اہم ترین پہلوؤں کو مربوط انداز میں سمجھنے کی بھرپور کاوش ہے، لیکن اس میں قائم کردہ تاریخی ترتیب نے اس کو تاریخی حوالے سے بھی اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ اسی طرح حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''البدور البازغۃ'' کے تیسرے مقالے میں انسانی تاریخ میں قائم ہونے والی ملتوں کے قیام کی حقیقت و ماہیت، ان کے ارتقا اور انقلابی پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ خاص طور پر ملتِ حنیفیہ کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے تمام انبیا علیہم السلام کے مجموعی عرصے کے تین ادوار قائم کیے ہیں۔ اور ان کے بیان کردہ اقترابی

www.rahimia.org

پہلوؤں کی وضاحت اور سماجی زندگی سے متعلق ارتقاقات کی ارتقائی حالت بیان کی ہے۔

تاریخ پر حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا رسالہ اور اس کی اہمیت

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے حضرت الامام شاہ رفیع الدین عبدالوہاب دہلویؒ نے اپنے والد کے علوم کی درست تفہیم کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ دیگر علوم کے علاوہ تاریخ عالم انسانیت پر ایک مختصر رسالہ ''**رسالة فی التاریخ**'' قلم بند فرمایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنا یہ رسالہ عالم انسانیت کی مختصر تاریخی تقویم کے طور پر مرتب کیا ہے۔ اس کا مقصد انسانیت کے اہم ترین واقعات، بالخصوص انبیا علیہم السلام کی ولادت و وفات سے متعلق تاریخی سنین کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی تاریخ کا ایک کیلنڈر ترتیب دینا ہے۔ اور چند تاریخی مغالطوں اور تسامحات کی نشان دہی کرنا ہے۔ نیز شمسی اور قمری حسابوں کے فرق کی وضاحت کرنا ہے۔ یہ رسالہ گویا کہ ایک مختصر تقویم ہے۔ اور انسانی تاریخ کے چھ سات ہزار سال کے اہم واقعات خاص طور پر انبیا علیہم السلام کی جدوجہد کے تاریخی سالوں کا تعین کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ''تاویل الاحادیث'' اور ''البدور البازغہ'' کی بحثوں کو درست تناظر میں سمجھنے کے لیے تاریخی ترتیب کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس رسالے کا خلاصہ، اس کا اصل عربی متن اور اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس تاریخی رسالے کے مضامین پر ایک نظر

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے اس تاریخی رسالے ''**رسالة فی التاریخ**'' کے اہم مضامین اور مواد کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

کائنات کے حوالے سے مختلف نقطہ ہائے نظر

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالے کا آغاز کائنات کے حوالے سے مختلف مذاہب پر مبنی نقطہ ہائے نظر سے کیا ہے۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ کائنات کے حوالے سے لوگوں میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

1۔ پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے تمام تر پہلوؤں کے حوالے سے مطلقاً حادث اور عارضی ہے۔ اور قدیم نہیں ہے۔ چوں کہ یہ کائنات مخلوق ہے، اس لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ ہر پیدا شدہ چیز کی طرح اپنے وقتِ مقررہ پر ختم ہونے والی ہے۔ یہ نقطہ نظر مجوسیوں اور تمام ملتوں کے ماننے والے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا ہے۔

2۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کائنات مطلقاً قدیم ہے۔ یعنی اس کائنات میں موجود:

(الف) تمام آسمان اور اَفلاک قدیم ہیں۔

(ب) زمین پر موجود تمام عناصر (Elements) اور ان کے مادے قدیم ہیں۔

www.rahimia.org

(ج) زمین پر موجود تمام انواع و اجناس اپنی تمام تر شکلوں اور صورتوں کے یکے بعد دیگرے ایک تسلسل کے ساتھ آمد کی وجہ سے قدیم ہیں۔ یعنی شکلیں اور صورتیں اگرچہ تبدیل ہوتی رہی ہیں، لیکن انسانی انواع و اجناس اپنے تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود رہتی ہیں۔ اور قدیم ہیں۔ یہ نقطہ نظر فلاسفہ اور آبادیّین (پارسیوں) کا ہے۔

3۔ تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ کائنات اپنی انواع کے حوالے سے قدیم ہے۔ انواع و اشیا کے تشخصات اور شخصیات قدیم نہیں ہے، بلکہ حادث اور عارضی ہے۔
یہ نقطۂ نظر ہندوؤں (ویدک دھرم ماننے والوں) کا ہے۔

ان تینوں نقطہ ہائے نظر کے ماننے والے تمام ملتوں اور جماعتوں کا تعارف عام طور پر پایا جاتا ہے۔ البتہ ''آبادیّین'' کے بارے میں معلومات زیادہ نہیں ہیں۔ اس لیے شاہ صاحبؒ نے یہاں ''آبادیّین'' کا تعارف کراتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ:

> ''قدیم ایرانیوں کی ایک ایسی قوم ہے، جن کا رہنما ''مہ آباد'' نام کا ایک آدمی ہے۔ جسے وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل سمجھتے ہیں۔ اور ان کے بقول اس آدمی پر فارسی زبان میں ایک کتاب ''دساتیر'' اُتری تھی۔''

ان ''آبادیّین'' کو ''سپاسی'' اور ''پارسی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے عقائد و خیالات سے مکمل آگاہی کے لیے سترہویں صدی عیسوی میں ان کے ایک رہنما ''کیخسر واسفندیار'' (1615-1670ء) کی کتاب ''دبستانِ مذاہب'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

نوعِ انسانی کے بارے میں تاریخی نقطہ ہائے نظر

حضرت شاہ صاحبؒ کا کہنا ہے کہ جب ہم عالمِ انسانیت کی تاریخ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں تو کائنات کے بارے میں یہ تینوں نقطہ ہائے نظر نوعِ انسانیت کے حوالے سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ خاص طور پر جب کہ ہم نوعِ انسانیت کو ایک شخصی وجود سمجھیں تو یہ تینوں نقطہ ہائے نظر: (۱) مطلق حادث، (۲) مطلق قدیم اور (۳) نوعی حوالے سے قدیم اور شخصی حوالے سے حادث، اس میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ہمارے گرد و پیش میں نئے پیدا ہونے والے اشخاص و اعیان کو انسانیت کی نوعی قدامت کی جگہ پر رکھیں تو بھی نوعِ انسانیت کے حوالے سے یہ تینوں نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔

تاریخی حوالے سے ان تین نقطہ ہائے نظر کے بیان کے بعد شاہ صاحبؒ نے کائنات کو حادث ماننے والوں کے نقطہ نظر کے مطابق تاریخی ترتیب کا آغاز کیا ہے۔

www.rahimia.org

تاریخ انسانیت کا آغاز کیسے ہوا؟

اگر انسانیت کو حادث ماننے والوں کے نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھا جائے تو انسانیت کی تاریخ کا آغاز کیسے ہوا؟ شاہ صاحبؒ کا کہنا ہے کہ اس حوالے سے لوگوں کے اتنے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں کہ جنھیں کسی ایک متفقہ رائے پر اکٹھا کرنا ممکن نہیں ہے۔

شاہ صاحبؒ نے تاریخ انسانیت کے آغاز اور اس کی تاریخی ترتیب وتقویم کے حوالے سے یہودیوں اور مسلمانوں کے نزدیک طے شدہ رائے کو ترجیح دی ہے۔ اور اس متفقہ تاریخی ترتیب و تقدیم کو دو کتابوں کے مصنّفین نے اپنے پیش نظر رکھا ہے۔ یعنی علامہ کاتب چلپی مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب ''تقویم التواریخ'' اور قاضی مجیرالدین عبدالرحمٰن عُلیمی حنبلی نے اپنی کتاب ''تاریخ القدس والخلیل'' میں اسی متفقہ رائے کو اختیار کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کی مسلمہ اہمیت اس لیے ہے کہ کاتب چلپی ایک طویل عرصے تک خلافتِ عثمانیہ کے سرکاری دفاتر میں سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ اور اسی لیے انھیں ''کاتب'' کہا جاتا ہے۔ اپنے سرکاری دفتر میں یہ ''حاجی خلیفہ'' کے نام سے معروف رہے ہیں۔ انھوں نے خلافتِ عثمانیہ کے سرکاری دفاتر میں مروّجہ تاریخی تقویمات اور سرکاری ریکارڈ سے استفادہ کرتے ہوئے ''تقویم التواریخ'' مرتب کی ہے۔ اسی لیے خلافتِ عثمانیہ کے سرکاری نظام اور دنیا بھر کے ممالک میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔

اسی طرح ''تاریخ بیت القدس والخلیل'' کے مصنف ابراہیمی تحریک کے ایک اہم ترین مرکز بیت المقدس کے رہنے والے اور اس کی تاریخ سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور 900ھ تک کی تاریخ کی بہت سی معلومات جمع کی ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے ان دونوں کتابوں کو بنیاد بنا کر آغازِ انسانیت سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تاریخی تسلسل کی ترتیب وتقویم قائم کی ہے۔ اور پھر اجمالی طور پر 1200ھ تک کا حساب بھی اس میں شامل کیا ہے۔

سن ہبوطی کی ترتیب وتدوین

ان دونوں کتابوں کی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے انسانی تاریخ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے (ہبوطِ آدم) سے کیا ہے۔ اور یہی قرین قیاس ہے کہ اس کرۂ ارض پر انسان کی آمد سے ہی تاریخ انسانیت کا آغاز کیا جائے۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس کرۂ ارض پر قیام کے عرصے کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے مطابق آپ کا سالِ وفات شمسی حوالے سے 930 (ہبوطی) بنتا ہے۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کل عمر قمری سالوں کے حساب سے 1,000 سال ہے۔ اگر انھیں شمسی

www.rahmia.org

حساب میں تبدیل کیا جائے تو اس میں سے تقریباً 30 سال کم کرنے ہوں گے۔ اس طرح شمسی حساب سے یہ 970 سال بنتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کا کہنا ہے کہ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام 40 سال کی عمر تک جنت میں رہے۔ اور 40 سال کے بعد آپؑ کا کرۂ ارض پر آنا ہوا تھا۔ اس طرح اس کرۂ ارض پر حضرت آدم علیہ السلام کا قیام کل 930 سال ہوا۔ اور اسی سے آپ کا سن وفات بھی متعین ہوجاتا ہے۔

اس طرح سالوں کی جو ترتیب شاہ صاحبؒ نے قائم کی ہے، اس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے یعنی ''ھُبــوط'' سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے خیال میں اس سن کو ''سن ہبوطی'' کہنا چاہیے۔ ''آدمی'' اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ یہ سن آدم علیہ السلام کی ولادت سے شروع نہیں ہوتا۔ بلکہ 40 سال بعد زمین پر اترنے سے شروع ہوتا ہے۔ آئندہ حوالے کے طور پر ''سن ہبوطی'' کا ہی تذکرہ کیا جائے گا۔

اس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری تاریخ کے اہم ترین واقعات خاص طور پر انبیا علیہم السلام کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا تعین کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں گزشتہ ذکر کی گئی دو کتابیں یعنی ''تقویم التواریخ'' اور ''تاریخ القدس و الخلیل'' شاہ صاحبؒ کے پیش نظر رہی ہیں۔

ان دونوں کتابوں کے متعین کردہ تاریخی سنین سے شاہ صاحبؒ کا اختلاف

اگرچہ عام طور پر شاہ صاحبؒ نے ان دونوں کتابوں کے مطابق ہی تاریخی سنین کا تذکرہ کیا ہے، لیکن بعض مقامات میں ان دونوں کتابوں کے مصنّفین حضرات کی رائے سے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ اس لیے اس رسالے میں تاریخی سالوں کی ترتیب و تقویم محض ان دونوں کتابوں کی قائم کردہ ہی نہیں ہے، بلکہ شاہ صاحبؒ نے اپنی تحقیق کے نتائج کے مطابق تاریخی سنین کا تعین کیا ہے۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی ایک تاریخی تحقیق

اس کی ایک مثال حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت اور وفات کی تاریخ کے حوالے سے ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ان دونوں حضراتِ انبیا کی تاریخ وفات بالترتیب 4403ھ (ہبوطی) اور 4443ھ (ہبوطی) بیان کی گئی ہے۔ جب کہ شاہ صاحبؒ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت داؤدؑ کی وفات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت 4433ھ (ہبوطی) میں اور حضرت سلیمانؑ کی وفات 4473ھ (ہبوطی) میں تحریر کی ہے۔ اور اس کی دلیل دیتے ہوئے ایک صحیح حدیث کا حوالہ دیا ہے، جس کا تعلق ''میثاقِ الست'' سے ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ایک سو سال پوری کی ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال مکمل کی ہے۔''

www.rahnuma.org

اس دلیل کی حقیقت سمجھنے کے لیے پوری حدیث کا مطالعہ ضروری ہے۔اس طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر 60 سال اور آدم علیہ السلام کی عمر 1,000 سال مقرر کی تھی، لیکن جب ''عہد ِالست'' کے موقعے پر آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو اللہ نے ظاہر کیا تو آدم علیہ السلام نے دیکھا۔ان انسانوں میں ایک جماعت ایسی ہے، جن پر چمکتا ہوا نور ہے۔تو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ: ''اے ربّ! یہ کون لوگ ہیں، جن پر نور ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''یہ انبیا اور رسول ہیں، جنھیں میں اپنے بندوں کی طرف بھیجوں گا۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے انبیا علیہم السلام کی اس جماعت میں ایک آدمی کو دیکھا کہ جس کا نور زیادہ روشن تھا۔آدم علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا کہ: ''یہ میرا کون سا بیٹا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے کہا کہ: ''تیرا بیٹا داؤد ہے۔'' آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ: ''اس کی عمر کتنی ہے؟'' اللہ نے کہا کہ: ''60 سال''۔آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ: ''اس کی عمر میں اضافہ کردیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''نہیں!۔ ہاں! اگر تو اپنی عمر میں سے اس کو کچھ دے دے۔'' حضرت آدم علیہ السلام کی عمر 1,000 سال تھی۔انھوں نے اپنی عمر کے چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دیے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق تحریر لکھی اور اس پر فرشتوں کو گواہ بنالیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے۔حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ: ''ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔'' فرشتوں نے کہا کہ: آپ نے اپنی عمر کے چالیس سال داؤد کو دے دیے تھے۔حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ: میں نے تو ایسا نہیں کیا۔اور نہ ہی میں نے داؤد کو کچھ بھی دیا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے وہ تحریر بھیجی، اور فرشتوں کی گواہی دلوائی۔لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی عمر کے 1,000 سال پورے کردیے۔اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر کے سو سال پورے کردیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر 100 سال ہوئی تھی۔ان دونوں کتابوں کے مصنّفین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی پیدائش 4333ھ (ہبوطی) میں لکھی ہے۔آپ علیہ السلام کی سو سال عمر مکمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ کی وفات 4433ھ (ہبوطی) میں ہوئی ہے۔نہ کہ ستر سال کی عمر میں 4403ھ (ہبوطی) میں وفات ہوئی، اس طرح شاہ صاحبؒ نے اس حدیث کی بنیاد پر حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت کا سن 4433ھ (ہبوطی) لکھا ہے۔اور چوں کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد چالیس سال خلافت اور حکومت کی ہے۔اس لیے ان کا سالِ وفات 4473 (ہبوطی) ہے۔

شاہ صاحبؒ کی ایک اور تحقیق و تاریخی ترجیح

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے واقعے کے بارے میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے ''تاریخ القدس و الخلیل'' کے مصنف سے اختلاف کیا ہے۔مصنف تاریخ القدس کے مطابق آگ میں ڈالنے کا واقعہ 3339ھ

(ہبوطی) میں ہوا۔ گویا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر صرف 17 سال تھی۔ اس لیے کہ آپؑ کی پیدائش 3323ھ (ہبوطی) میں ہوئی۔ جب کہ شاہ صاحبؒ نے اس واقعے کا سن 3368ھ (ہبوطی) لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا یہ واقعہ 45 سال کی عمر میں پیش آیا۔ گویا یہ واقعہ 40 سال پورے ہونے اور نبوت ملنے کے بعد کا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اس سن کو پہلے بیان کر کے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح ایک دو اور مقامات ہیں، جہاں شاہ صاحبؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق ان دونوں مؤرخین سے اختلاف کیا ہے۔

ایک تاریخی غلطی کی نشان دہی اور اس کا حل

شاہ صاحبؒ نے اس رسالے کے آخر میں مؤرخین کی ایک غلطی کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ عام طور پر مؤرخین نے جب تاریخ مرتب کی ہے اور وہ گزشتہ تاریخی سالوں کی ترتیب قائم کرتے ہیں تو ولادتِ نبویؐ سے پہلے کے سالوں کے حساب اور سن ہجری سے شروع ہونے والے حساب کو باہم ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور اس باریک فرق کو اپنے پیشِ نظر نہیں رکھتے کہ تاریخی کتابوں میں ولادتِ نبویؐ سے پہلے کے سنین شمسی حساب سے ہیں۔ جب کہ ولادتِ نبویؐ کے بعد کے سالوں کو قمری حساب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر ہجری سن جاری ہوا ہے۔ چناں چہ ''تاریخ القدس والخلیل'' اور ''تقویم التواریخ'' مرتب کرنے والے مصنّفین نے بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا۔ انھوں نے حضرت آدمؑ سے ولادتِ نبویؐ تک شمسی حساب سے مرتب شدہ تاریخی سالوں کے ساتھ ہجری سن کے سالوں کو ملا کر لکھ دیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔ چناں چہ ولادتِ نبویؐ سے لے کر 900ھ (جب کہ ''تاریخ القدس'' لکھی گئی) تک اور 1058ھ (جب کہ ''تقویم التاریخ'' لکھی گئی) تک ان دونوں مصنّفین نے قمری سالوں کی تاریخی ترتیب کو سامنے رکھا ہے۔ اور پھر ان دونوں کو باہم جمع کر کے کل سالوں کی تعداد بتلائی ہے۔ یہ واضح طور پر ایک تاریخی غلطی ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے اپنے اس رسالے میں اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ اس طرح ان دونوں (حسابوں) کو آپس میں جمع کرنا غلطی سے خالی نہیں ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

''وجمعهما فی الحساب لایخلو عن مسامحة.''

(ان دونوں حسابوں کو آپس میں جمع کرنا غلطی سے خالی نہیں ہے۔)

شاہ صاحبؒ نے اس غلطی کی نشان دہی کرتے ہوئے تاریخی ترتیب کا صحیح طریقہ یہ بیان کیا ہے:

''بل المناسب إمّا إرجاع ما بعد المؤلّد إلى الشّمسيّة، أو إرجاع ما قبلها إلى القمريّة.''

''بلکہ مناسب بات یہ ہے کہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد کے سالوں کا حساب بھی شمسی حوالے سے کیا جائے۔ اور یا آپؐ کی ولادت سے پہلے والا حساب بھی قمری سالوں کے مطابق مرتب کیا جائے۔''

www.rahimia.org

اس غلطی کی نشان دہی اور شمسی اور قمری بنیادوں پر تاریخی سالوں کا صحیح طور پر تعین کرتے ہوئے رسالے کے آخر میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"فاحفظ! فإنّ جمهور أهل التّاريخ و منهم صاحبا "تاريخ القدس والخليل" و "تقويم التّواريخ" قد خلطا الأمر و غفلا عن التّميز."

''اس تاریخی حساب کو اچھی طرح یاد کرلو! اس لیے کہ اکثر اہل تاریخ ــــــ جن میں ''تاریخ القدس والخلیل'' اور ''تقویم التواریخ'' کے مصنّفین بھی شامل ہیں ــــــ نے تاریخ کا معاملہ انتہائی گڈمڈ کردیا ہے۔ اور صحیح فرق وامتیاز سے غفلت برتی ہے۔''

حضرت آدمؑ سے حضرت محمدؐ تک کا کل زمانۂ تاریخ اور اس کے ادوار

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالے میں ''ہبوطِ آدمؑ'' سے ولادتِ نبویؐ تک کے کل دورانیے کا تعین کیا ہے۔ چناں چہ اس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت تک شمسی حساب سے کل **6163** سال اور قمری حساب سے **6351** سال بنتے ہیں۔

یہ پورا دور انسانیت کے اِرتقا اور ترقی کا دور ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس عرصے کے دوران ہونے والے سیاسی، سماجی اور معاشی ارتقا کے حوالے سے ''ارتفاقات'' کا نظریہ دیا ہے۔ اور اَخلاق کے حصول اور فکر ونظریے کی ترقی کے لیے ''اقترابات'' کے زیادہ بہتر اور جامع عملی طریقوں کی وضاحت کی ہے۔ پھر اس پورے زمانۂ تاریخ میں ارتفاقات واقترابات کے ارتقا اور ان کے پھیلاؤ کے تین بڑے ادوار کی نشان دہی کی ہے:

1۔ پہلا دور: حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ادریس علیہ السلام اور قبل از حضرت نوح علیہ السلام تک کا ہے۔

2۔ دوسرا دور: حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام اور قبل از حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کا ہے۔

3۔ تیسرا دور: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا ہے۔

ان تینوں ادوار کی تفصیلات حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''البدور البازغۃ'' اور ''تاویل الاحادیث'' میں بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے جو تاریخی کیلنڈر مرتب کیا ہے، اس کے حساب سے ان تینوں ادوار کی تفہیم اور اس کے تاریخی سنین کچھ اس طرح سے ہوں گے:

1۔ پہلا دور: 01ھ (ہبوطی) سے حضرت نوحؑ کی پیدائش 1642ھ (ہبوطی) تک۔

2۔ دوسرا دور: 1642ھ (ہبوطی) سے حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش 3323ھ (ہبوطی) تک۔

3۔ تیسرا دور: 3323ھ (ہبوطی) سے ولادتِ نبویؐ 6163ھ (ہبوطی) تک۔

چناں چہ اس رسالے کے ترجمے میں ہم نے ان تینوں ادوار کو عنوانات کے ذریعے سے واضح کردیا ہے۔ اسی

www.rahimia.org

طرح اس پورے عرصے کے اہم ترین واقعات میں کعبۃ المعظّمہ کی تعمیر، بیت المقدس کی تعمیر اور دو دفعہ اس کی بربادی کے سال اہمیت رکھتے ہیں۔ہم نے انھیں نمایاں کرنے کے لیے ان کے عنوانات بھی قائم کردیے ہیں۔

موجودہ عیسوی کیلنڈر کا اس تاریخی تقویم کے ساتھ موازنہ

ریاضی دان ہمیشہ سے تاریخی تقویمات کا تعین کرتے رہے ہیں۔ خاص طور پر شمسی سالوں کے حساب سے تقویم تیار کرنا ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے۔اس لیے کہ زمین کی سورج کے گرد بیضوی دائرے میں ہونے والی گردش 365 دن 05 گھنٹے 48 منٹ 46 سیکنڈ کی ہے۔زمین کی اسی سالانہ گردِش کے حساب سے شمسی سال وجود میں آتا ہے۔اسی شمسی حساب کے مطابق موجودہ عیسوی کیلنڈر بہت سی ترمیمات کے بعد وجود میں آیا۔ یہ اصل میں رومی کیلنڈر تھا، جس میں ایک عیسائی راہب ڈینس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سن سے شروع کر کے اسے عیسوی کیلنڈر بنادیا۔اور پھر 1582ء میں پاپائے گریگوری نے اپنی ترمیمات کے ساتھ اسے جاری کیا۔اس کے بعد سے ریاضی دانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سن ولادت کے تعین کا مسئلہ اہمیت اختیار کرگیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اس رسالے میں حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے سن وِلادت کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر موجودہ عیسوی کیلنڈر کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جائے تو درجِ ذیل دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں:

1۔ شاہ صاحبؒ نے سب سے پہلے 5584 (ہبوطی) کو ولادتِ مسیح کا سن قرار دیا ہے، اسے کاتب چلپی نے ''تقویم التاریخ'' میں اختیار کیا ہے۔شاہ صاحبؒ کے مطابق 1200ھ تک شمسی حساب سے کل 7371 (ہبوطی) سال بنتے ہیں۔اس طرح 1200ھ میں ولادتِ مسیحؑ کو 1787 شمسی سال ہوجاتے ہیں۔

2۔ شاہ صاحبؒ نے ولادتِ مسیحؑ کے حوالے سے پہلے سن کے 02 سال بعد دوسرا سن ''تاریخ القدس و الخلیل'' کے مطابق 5586 (ہبوطی) کو قرار دیا ہے۔ اس حساب سے 1200ھ تک ولادتِ مسیح کو 1785 شمسی سال بنتے ہیں۔

3۔ گریگوری کیلنڈر کے مطابق 1200ھ کے آخر میں 1786 عیسوی ہوتا ہے۔

چناں چہ ان تینوں حسابوں کا یہی فرق آج 1431ھ کے آخر میں بھی سامنے آتا ہے۔ چناں چہ پہلی تقویم کے مطابق ولادتِ مسیح کو آج 2011ء سال ہونے کو آتے ہیں۔اور دوسری رائے کے مطابق 2009 سال بنتے ہیں۔ جب کہ آج موجودہ عیسوی کیلنڈر کے مطابق دسمبر 2010ء ہے۔

شمسی حساب سے سالانہ کیلنڈروں میں پایا جانے والا یہ فرق بہرحال رہے گا۔اس لیے کہ زمین کی سورج کے گرد ہونے والی گردش کے کل وقت کو مساوی طور پر 12 مہینوں پر تقسیم کرنا پورے طور پر ممکن نہیں۔تمام تر کوششوں کے باوجود پھر بھی حساب میں کسور باقی رہ جاتے ہیں۔اسی لیے شمسی بنیادوں پر جو کیلنڈر بنائے جاتے ہیں، ان میں

www.rahimia.org

ہر کچھ عرصے بعد ترمیمات کرنی پڑتی ہیں۔ ہر 400 سال کے بعد تو یقیناً ترمیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ چناں چہ یہی عیسوی کیلنڈر جو دراصل رومی شمسی کیلنڈر ہے، اس میں معلوم ترمیمات بہت سی ہیں۔ جب کہ نامعلوم ترمیمات کا کچھ اتا پتا نہیں۔ رومی کیلنڈر، جس میں ایک زمانے میں اگسٹس نے ترمیم کی، پھر اس میں جولین نے ترمیم کی، اس کے 600 سو سال بعد عیسائی راہب ڈینس نے اس میں ترمیم کی۔ اور پھر آخری ترمیم گریگوری نے 1582ء میں کی۔

شاہ صاحبؒ کے تعین کردہ وِلادتِ مسیحؑ کے سن اور موجودہ عیسوی کیلنڈر کے درمیان پائے جانے والے فرق کی بنیادی وجہ غالباً شمسی حساب میں ہونے والی یہ ترمیمات اور ان کے پورے حسابات نہ ہونا رہی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ولادتِ مسیحؑ کا سن ان تمام حسابات میں کم و بیش قریب قریب ہی ہے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو شاہ صاحبؒ نے شمسی حوالے سے جس تاریخی تقویم کا تعین کیا ہے، وہ نہ صرف مسلمانوں اور یہودیوں میں متفق علیہ ہے، بلکہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کسی حد تک درست ہے۔ گویا یہ تقویم تمام ملتوں کے ماننے والوں کے لیے قریب قریب مسلمہ حیثیت رکھتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی اس تقویم کے مطابق ہبوطِ آدم علیہ السلام سے لے کر ذی الحج 1431 ہجری / دسمبر 2010 عیسوی تک قمری حساب سے کل 7835 سال اور شمسی حساب سے 7595 سال بنتے ہیں۔

''رسالة فى التاريخ'' کی ایک سابقہ اشاعت کا جائزہ

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے رسائل پر مبنی ایک مجموعہ 1993ء میں گوجرانوالہ سے حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ کی زیرِنگرانی شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے میں یہ ''رسالة فى التاريخ'' بھی شامل ہے۔ اس کے مقدمے میں اگرچہ اس بات کی تصریح تو ہے کہ یہ رسالہ کسی مخطوطے کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، لیکن اس کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ مخطوطہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوا ہے۔ اس مجموعے میں شائع شدہ یہ رسالہ اغلاط سے پُر ہے۔ اور اس میں بہت سی عبارتیں رہ گئی ہیں۔ غالباً اس کا سبب بعض مقامات پر اصل مسودے کے الفاظ کا نہ پڑھا جانا ہے۔ چناں چہ اس کے مقدمہ نگار لکھتے ہیں:

> ''بعض مقامات میں اصل مسودے کے اندر ہی الفاظ مٹے ہوئے تھے، جو اخذ نہیں کیے جا سکے۔ اور بعض مقامات میں سیاق و سباق سے الفاظ تحریر کر دیے گئے ہیں۔''(17)

اس طرح ''مجموعہ رسائل'' میں اس رسالے کی یہ اشاعت مکمل طور پر قابلِ استفادہ نہیں۔ اب ہم نے حضرت مصنفؒ کی زندگی میں لکھے گئے اصل مخطوطے کی بنیاد پر اس رسالے کا تحقیقی متن تیار کیا ہے۔ اور اس میں ذکر کردہ احادیث و روایات اور شخصیات کی تحقیق و تخریج کی ہے۔ اردو دان حضرات کے لیے اس رسالے کا عربی متن کا مکمل ترجمہ بھی پوری تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

www.rahimia.org

''رسالة فی التاریخ'' کے تحقیقی متن کی تیاری میں پیشِ نظر قلمی نسخے

آئندہ صفحات میں ''رسالة فی التاریخ'' کا تحقیقی متن مرتب اور مدوّن صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ترتیب و تدوین کے وقت ایک قلمی نسخہ تو وہ پیشِ نظر رہا، جو ''جامعہ ملیہ'' کی ''ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری'' میں موجود ہے۔ اس رسالے کا ایک دوسرا قلمی نسخہ بھی دریافت ہوا ہے۔ اس کے لیے ہم مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب کے ممنون ہیں۔ یہ نسخہ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا علامہ محمد صدیق ولی اللّٰہی بہاولپوریؒ کے ذاتی ذخیرۂ کتب سے ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ یہ ایک قلمی نسخے کا عکس ہے۔ اس مخطوطے میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے آٹھ رسائل شامل ہیں۔ ان میں ''رسالة فی التاریخ'' بھی ہے۔ ہم نے اس رسالے کے متن کی تیاری کے وقت اس مخطوطے سے بھی مقابلہ اور موازنہ کیا ہے۔

اس کے کاتب و مالک حضرت مولانا محمد نوشہ پاک پٹنی ثم بہاولپوریؒ ہیں۔ انھوں نے اگرچہ ''رسالة فی التاریخ'' کے آخر میں تاریخ کتابت درج نہیں کی، لیکن اس مخطوطے میں حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''ھوامع شرح حزب البحر'' بھی شامل ہے۔ اس کے آخر میں لکھے ہوئے ترقیمۂ کاتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلمی نسخہ 1252ھ کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمہ کی عبارت اس طرح ہے:

''کاتبهٗ و مالکهٗ عاصی بأنواعِ معاصی محمّد نوشه، عفا اللّٰه تعالٰی عنهٗ بمنّه و کرمهٖ، إتمام إیں کتاب در ماهِ ذی القعده بتاریخ نهم ۱۲۵۲ هجری صلی اللّٰه علیه وسلّم در أمیر گنج، متعلق بقصبهٔ تونک گردید.'' (18)

حضرت مولانا محمد نوشہؒ کے بارے میں چند معلومات بھی اسی نسخے سے معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں اپنے استاذ مولانا بہادر علی دہلویؒ سے ''صحاح ستہ'' کی جو تحریری اجازت حاصل ہوئی، اس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

''.... یقول قائل هٰذه الألفاظ خادم شریعة الغرّاء بهادر علی دهلوی عفی عنهٗ: إنّی قد أجزتُ لأخی فی الدّین محمّد نوشه بن نور نبی فاک فتنی ثم بهاولفوری إجازة الکتب السّتة .... و أجازنی شیخی و أستاذی عبداللّٰه دهلوی، قال: أخبرنا و أجازنا أستاذی و شیخی شیخ عبدالقادر بن ولی اللّٰه دهلوی.'' (19)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مخطوطے کے کاتب اور مالک مولانا محمد نوشہ، مولانا الفاضل عبداللہ دہلویؒ (متوفی 1252ھ) کے شاگرد مولانا بہادر علی دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔ اور پاک پتن اور بہاولپور کے رہنے والے ہیں۔ یہ مخطوطہ بھی بہت صاف اور عمدہ کتابت میں تحریر شدہ ہے۔ ہم نے مذکورہ بالا دونوں قلمی نسخوں اور مطبوعہ نسخے کے باہمی موازنے اور مقابلے کے بعد اس رسالے کا تحقیقی متن مرتب کیا ہے۔ اور اسی کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

www.rahimia.org

رسالۃٌ فی التّاریخ

(عالم انسانیت کی مختصر تاریخ)

اردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریفیں اُسی اللہ کے لیے ہیں، جس کے اول اور پہلے ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور نہ جس کے آخر ہونے میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اور درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو اس کے نبی ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں سے منتخب شدہ ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں اس کے خلیفہ ہیں۔ اور درود و سلام ہو ان کی آل اور ان کے اصحاب پر، جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے آداب کا شعور سیکھا۔ اور آپؐ کی عادات و کردار کو بڑی مضبوطی سے اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔

اس کے بعد کمزور بندہ محمد رفیع الدین (20) —— اللہ تعالیٰ اسے اپنے گزشتہ نیک بندوں کے ساتھ شامل کرے۔ اور بعد والوں میں اس کے بارے میں سچائی کی زبان برقرار رکھے —— یہ کہتا ہے:

(کائنات کے بارے میں مذاہبِ عالم)

کائنات اور اس عالم کے بارے میں انسانوں کے تین مذاہب ہیں:

1۔ حدوثِ مطلق: مطلقاً حادث ہے۔ یعنی یہ کائنات اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ حادث اور عارضی ہے۔ یہ مذہب تمام ملتوں کے ماننے والوں اور مجوس وغیرہ کا ہے۔

2۔ قِدَمِ مطلق: مطلقاً قدیم ہے۔ یعنی یہ کائنات تمام تر بنیادی اصولوں کے حوالے سے قدیم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کائنات کے تمام آسمانی افلاک، زمین کے عنصری مواد، اور انواع کی تمام تر شکلیں اور صورتیں سلسلہ ٹوٹے بغیر یکے بعد دیگرے ایک تسلسل کے ساتھ موجود ہیں۔

یہ مذہب ''فلاسفہ'' اور ''آبادیّین'' کا ہے۔

یاد رہے کہ ''آبادیّین'' ایک ایسی قوم ہے، جس کا تعلق فارسیوں (ایرانیوں) کی اوّلین اقوام میں سے ہوتا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کی نوع کی ابتدا کرنے والا اور ان کے دین کا رہنما ایک ایسا آدمی تھا، جس کا نام ''مہ آباد''

تھا۔ اور اس پر ایک کتاب فارسی زبان میں نازل ہوئی تھی، جس کا نام ''دساتیر'' تھا۔(21)

3۔ **قدم بالنوع، وحُدُوث بالشخص:** نوع کے اعتبار سے قدیم اور شخصی اعتبار سے حادث ہے۔ یعنی اس کائنات میں موجود تمام انواع قدیم ہیں۔ اور خاص ہیئت، شکل اور تشخص کی حامل اشیا اور افراد قدیم نہیں، بلکہ حادث ہیں۔ یہ ہندوؤں کا مذہب ہے۔

(نوعِ انسانی کے بارے میں تاریخی نقطہ ہائے نظر)

ان مذاہب پر مبنی یہ تینوں نقطہ ہائے نظر نوعِ انسانی کی تاریخ کے حوالے سے بھی پائے جاتے ہیں۔

خاص طور پر جب ہم:

(الف) ایک تسلسل کے ساتھ موجود نوعِ انسانی کے وجود کو شخصی وجود کی جگہ پر رکھیں۔

(ب) اور تسلسل ٹوٹنے کے باوجود اعیان و اشخاص کے تجدد (ہر روز نئے پیدا ہونے والے اشخاص) کو نوعی قدامت کی جگہ پر رکھیں۔

اس طرح نوعِ انسانی میں ان تین نقطہ ہائے نظر پر مبنی یہ تمام احتمالات بعینہٖ جاری ہوتے ہیں۔

(آغازِ انسانیت کے بارے میں آرا کا تجزیہ)

(سب سے پہلے نقطۂ نظر کے مطابق) موجودہ نوعِ انسانی کو حادث ماننے والے لوگ انسانیت کی ابتدا کے بارے میں اتنے مختلف اقوال رکھتے ہیں کہ جنھیں کسی ایک متفقہ رائے پر جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس رائے کو ماننے والوں میں مسلمان، یہودی، عیسائی، مجوسی، تُرک اور عیسائیت کو قبول کرنے سے پہلے کے افرنگی (یورپین) (22) لوگ شامل ہیں۔

(مسلمانوں اور یہودیوں کے نزدیک تسلیم شدہ تاریخی ترتیب)

مسلمانوں اور یہودی جماعتوں کے نزدیک چھان پھٹک کر مرتب کی گئی تسلیم شدہ تاریخی ترتیب وہ ہے، جسے دو کتابوں میں پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چناں چہ (i) (کاتب چلپی کی کتاب) ''تقویم التاریخ'' (23) اور (ii) قاضی مجیرالدین عبدالرحمٰن عُلیمی حنبلی عمری (24) کی ''تاریخ بیت المقدس'' (25) اسی اساس پر مرتب کی گئی ہیں۔ یہ آخر الذکر کتاب نویں صدی ہجری کے آخر میں لکھی گئی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں بعض جگہوں پر تھوڑا بہت فرق بھی پایا جاتا ہے۔ کہیں کسی شخصیت کا تذکرہ لکھنے یا اُسے چھوڑنے کا فرق ہے، تو کہیں تاریخی اعداد و شمار کے بیان میں فرق پایا جاتا ہے۔ میں نے (اپنے اس رسالے میں) ان دونوں کتابوں کی تاریخی ترتیب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور جہاں اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے۔

www.rahimia.org

(حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اترنے سے تاریخ انسانی کی ابتدا)

ان دونوں کتابوں کے مطابق میں نے انسانی تاریخ کی ابتدا ''ہبوطِ آدمؑ'' یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے اس کرۂ ارض پر اُترنے کے زمانے سے کی ہے۔ ظاہری بات تو یہ ہے کہ انسانی تاریخ کی ابتدا آدمؑ کی پیدائش کے وقت سے ہونی چاہیے، ویسے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بہرحال ان دونوں کتابوں کے مصنّفین نے تاریخ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے کے وقت سے کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش اور ان کے زمین پر اُترنے کے درمیان کتنا عرصہ لگا؟ ان دونوں کتابوں کے مصنّفین نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ان مؤرخین کے قول کے مطابق یہ عرصہ چالیس سال کا ہے۔ اس لیے کہ حدیث نبویؐ میں یہ بات درست طور پر بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر قمری حساب سے ایک ہزار سال تھی۔ (26) اور شمسی حساب سے اس کا فرق تیس سالوں کی کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر (پیدائش سے وفات تک) شمسی حساب سے 970 سال بنتی ہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام 40 سال کا بنتا ہے۔ (جسے ان دونوں مصنّفین نے 970 میں سے منہا کر کے تاریخ وفات 930 بیان کی ہے۔) اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔ (27)

(تاریخ انسانیت کا پہلا دور (01ھ تا 1642ھ))

1۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اُترنا، عصر کے وقت، جمعۃ المبارک کے دن، ماہِ نیسان (28) (اپریل) کی 08/تاریخ مطابق 10/محرم کو ''جزیرۂ سراندیپ'' میں ہوا۔ (29)

2۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات (زمین پر اترنے کے بعد شمسی حساب سے) 930ھ (شمسی) میں ہوئی۔ (30)

3۔ حضرت شیث علیہ السلام کی وفات 1142ھ میں ہوئی۔ اور ''تقویم التاریخ'' کے مطابق 1042ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔ (31)

4۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر جانا 1467ھ میں ہوا۔ (32)

(تاریخ انسانیت کا دوسرا دور (1642ھ (ہبوطی) تا 3323ھ))

5۔ حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش 1642ھ میں ہوئی۔

6۔ طوفانِ نوح کا واقعہ 2242ھ میں ہوا۔

7۔ حضرت نوح علیہ السلام کی وفات 2592ھ میں ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تاریخ اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے بارے میں فرمایا: ''فَلَبِثَ فِيهِمْ

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا'' (33) (کہ وہ ان میں 950 سال ٹھہرے)۔ اس آیت سے حضرت نوحؑ کی کل عمر مراد لی جائے۔ جب کہ آیت کے سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کی بعثت اور طوفانِ نوحؑ کے درمیانی عرصے کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

(تاریخ انسانیت کا تیسرا دور (3323ھ تا 6163ھ)

8۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش 3323ھ میں ہوئی۔ (34)

9۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے 3368ھ میں آگ میں ڈالا، جب کہ ''تاریخ القدس'' میں ہے کہ اُس نے 3338ھ میں آپ کو آگ میں ڈالا تھا۔ (35)

10۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت ''تقویم التاریخ'' کے مطابق 3393ھ میں کی۔

11۔ اسی سال (ایران میں) ایک لوہار ''کاوہ'' نے ضحاک کے خلاف بغاوت کی۔ اور آفریدون فارسی (ایرانی) کی سلطنت کا آغاز ہوا۔ (36)

(تاریخ تعمیر کعبة المعظّمہ)

12۔ کعبہ معظّمہ کی تعمیر 3423ھ میں ہوئی۔

13۔ اسی سال (3423ھ) حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

14۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ان سے 14 سال پہلے 3409ھ میں ہوئی۔ (37)

15۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش 3483ھ میں ہوئی۔

16۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات 3498ھ میں ہوئی۔

17۔ میں کہتا ہوں: حضرت یعقوب علیہ السلام کی کل عمر 137 سال ہے۔ (38) اور آپ کی وفات 3620ھ میں ہوئی۔ (39)

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش اور وفات)

18۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر میں پیدائش 3748ھ میں ہوئی۔ (40)

19۔ اور حضرت موسیٰ کی وفات 3868ھ میں ہوئی۔

20۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی پیدائش 4333ھ میں ہوئی۔

21۔ اسی سال (4333ھ) ''تقویم التاریخ'' کے مطابق افراسیاب نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔ اور اس

www.rahimia.org

سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں افراسیاب نے منوچہر پر غلبہ پایا تھا۔ اور کیقباد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا ہے۔'' (41)

22۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیدائش 4391ھ میں ہوئی ہے۔

23۔ حضرت داؤد کی وفات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت کا آغاز 4433ھ میں ہوا ہے۔

(بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر)

24۔ بیت المقدس کی ابتدائی تعمیر 4437ھ میں ہوئی۔

25۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات 4473ھ میں ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ جو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی تاریخ وفات میں نے یہاں ذکر کی ہے، یہ ان مذکورہ دو کتابوں میں بیان کردہ تاریخ کے خلاف ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ہے کہ:

''داؤد علیہ السلام کی وفات 4403ھ میں، جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات 4443ھ میں ہوئی۔'' میں نے جو بات لکھی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیثِ میثاق (عہدِ الست) میں صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر کے سو سال پورے کیے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے ایک ہزار سال پورے کیے ہیں۔'' (42) اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد کی وفات کے بعد چالیس سال خلیفہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

26۔ (ایران میں) 4622ھ میں کیانی طبقے کا ظہور ہوا۔ اور اس کا پہلا حکمران ''کیقباذ'' تھا۔ جیسا کہ ''تقویم التاریخ'' میں درج ہے۔

27۔ بخت نصر کی حکمرانی کی ابتدا 4841ھ میں ہوئی۔

28۔ اور ''تاریخ بیت المقدس'' میں ہے کہ ''بخت نصر'' ایرانی حکمران لہراسپ کا نائب اور امیر تھا۔ (43) جب کہ ''کیخسرو'' نے لہراسپ کو سلطنت سپرد کی تھی۔ اور اس کی حکمرانی کی ابتدا 4847ھ میں ہوئی۔

(بیت المقدِس کی پہلی بربادی)

29۔ بخت نصر کے ہاتھوں ''بیت المقدس'' کی پہلی توڑ پھوڑ اور بربادی 4867ھ میں ہوئی۔ اور ''تقویم التاریخ'' کے مطابق ایک سال زیادہ یعنی 4868ھ میں ہوئی ہے۔

30۔ اور اسی ''تقویم التاریخ'' کے مطابق کشتاسپ بن لہراسپ کی حکمرانی کی ابتدا 4907ھ میں ہوئی۔ یہودیوں کے نزدیک کشتاسپ کا نام ''کورش'' ہے۔

www.rahimia.org

(بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر)

31۔ ''کورش'' کے ہاتھوں بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر 4937ھ میں ہوئی۔

32۔ اسی سال (4937ھ) میں ''زردشت'' (44) کا ظہور ہوا۔ اور کشتاسپ نے اس کا دین قبول کیا۔ جیسا کہ ''تقویم التاریخ'' میں لکھا ہے۔ جب کہ ''تاریخ القدس'' کے مصنف کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ''کورش'' دراصل کشتاسپ کی اولاد میں بہمن بن اسفندیار کا نام ہے۔ (45)

33۔ اسکندر یونانی کی پیدائش 5260ھ میں ہوئی۔

34۔ اسی سال (5260ھ) الٰہی تعلیمات کے حکیم افلاطون کی وفات ہوئی۔ (46)

35۔ اسکندر یونانی کا ایران پر قبضہ 5282ھ میں ہوا۔

36۔ اسکندر کی وفات 5289ھ میں ہوئی۔

(حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش اور ان کا آسمان پر جانا)

37۔ حضرت سیدنا یحییٰ بن زکریا اور سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کی ولادت ''تقویم التاریخ'' کے مطابق 5584ھ میں ہوئی۔

38۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام 5617ھ میں آسمان کی طرف اُٹھائے گئے۔

اور ''تاریخ القدس'' کے مطابق ان دونوں حضرات کی ولادت اور وفات (حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا) مذکورہ بالا سالوں کے دو سال بعد یعنی 5586ھ میں ولادت اور 5619ھ میں آسمان پر اٹھایا جانا ہوا۔

(بیت المقدس کی دوسری مرتبہ بربادی)

39۔ بیت المقدس کی دوسری مرتبہ توڑ پھوڑ اور بربادی ''تقویم'' کے مطابق طیطوس رومی کے ہاتھوں 5657ھ میں ہوئی۔ جب کہ ''تاریخ بیت المقدس'' کے مطابق دو سال بعد 5659ھ میں ہوئی۔

40۔ ملّتِ دیصان (47) کا ظہور ''تقویم'' کے مطابق 5716ھ میں ہوا۔

41۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ماہر نقاش ''مانی'' کا ظہور 5821ھ میں ہوا۔ (48)

42۔ اصحابِ کہف اپنی نیند سے 6036ھ میں بیدار ہوئے۔

43۔ مزدک مجوسی کا ظہور 6118ھ میں ہوا۔ (49)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت)

44۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت دونوں کتابوں کے مصنّفین کے اتفاقِ رائے کے مطابق

6163ء میں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

تاریخی حساب کی درستگی

45۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ بیان کردہ یہ تاریخی حساب شمسی سالوں کے حوالے سے ہے۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ ولادت سے لے کر حساب مرتب کیے جانے والے سن (جیسا کہ قاضی مجیرالدین نے 900ھ تک اور کاتب چلپی نے 1058ھ تک حساب مرتب کیا) تک کے سالوں کو قمری حساب سے لیا جاتا ہے۔ ان دونوں کو آپس میں جمع کرنا غلطی سے خالی نہیں۔ بلکہ مناسب بات یہ ہے کہ:

(الف) یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد کے سالوں کا حساب بھی شمسی سالوں کے حوالے سے مرتب کیا جائے۔

(ب) اور یا آپ ؐ کی ولادت سے پہلے والا حساب قمری سالوں کے مطابق مرتب کیا جائے۔

(آدمؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر 1200ہجری تک کا قمری حساب)

46۔ یاد رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تک اگر قمری حساب لگایا جائے تو وہ 6351 سال اور 229 دن یعنی تقریباً (ساڑھے) 7 ماہ بنتے ہیں۔ اور ولادتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر 1200 ہجری مقدس کے آخری سال تک (ہجرت سے پہلے کے 53 سال ملانے سے) 1253 سال ہوگئے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے سے لے کر 1200ھ تک کل 7604 سال اور چند ماہ (تقریباً ساڑھے سات ماہ) بنتے ہیں۔

(آدمؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر 1200ہجری تک کا شمسی حساب)

47۔ اور اسی طرح نبی اکرمؐ کی ولادتِ باسعادت سے 1200ہجری تک (قبل از ہجرت کے 53 سال ملانے سے) شمسی حساب سے تقریباً 1218 سال اور 60 دن یعنی 2 ماہ بنتے ہیں۔ اس طرح آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے سے لے کر 1200ھ تک شمسی حساب سے کل 7371 سال بنتے ہیں۔

48۔ اس تاریخی حساب کو اچھی طرح یاد کرلو! اس لیے کہ اکثر اہل تاریخ ___ جن میں ''تاریخ القدس والخلیل'' اور ''تقویم التواریخ'' کے مصنّفین بھی شامل ہیں ___ نے تاریخ کا معاملہ انتہائی گڈمڈ کردیا ہے۔ اور صحیح فرق و امتیاز سے غفلت برتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

www.rahimia.org

حوالہ جات وحواشی

1۔ سندھیؒ، عبیداللہ، مولانا، خطبات ومقالات، ص379، مرتبہ عبدالخالق آزاد، طبع دار التحقیق والاشاعت، لاہور، 2002ء۔
2۔ سرورق قلمی مخطوطہ، محفوظہ ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (انڈیا)۔
3۔ ایضاً، ورق نمبر01۔
4۔ ایضاً، ورق نمبر02۔
5۔ ایضاً، ورق نمبر73۔
6۔ ایضاً۔
7۔ ایضاً، ورق نمبر74۔
8۔ ایضاً، ورق نمبر77۔
9۔ ایضاً، ورق نمبر80۔
10۔ ایضاً، ورق نمبر85۔
11۔ ایضاً، ورق نمبر86۔
12۔ ایضاً، ورق نمبر93۔
13۔ ایضاً۔
14۔ ایضاً، ورق نمبر95۔
15۔ ایضاً، ورق نمبر106۔
16۔ ایضاً۔
17۔ مجموعہ رسائل حضرت شاہ رفیع الدین، جلد دوم، مقدمہ ص20، مطبوعہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالا۔
18۔ عکس قلمی مخطوطہ، مکتوبہ محمد نوشہ، ورق نمبر 77۔ اس قلمی مخطوطے کا عکس ہمارے پاس موجود ہے۔
19۔ ایضاً، ورق نمبر3۔
20۔ حضرت الامام شاہ رفیع الدین دہلویؒ، آپ کا اسم گرامی ''رفیع الدین عبدالوہاب'' ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ ایک بہت بڑے عالم، محدث، متکلم، اصولی اور شیخ کبیر تھے۔ اپنے زمانے کے نابغۂ روزگار شخصیات میں سے ہیں۔ آپ 19/ذی الحجہ 1163ھ/ 19 نومبر 1750ء، بروز منگل کو دارالحکومت دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تعلیم وتربیت پائی۔ نیز حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی سے طریقت اور تزکیہ حاصل کیا۔ علوم ومعارف میں مہارت اور مکمل گرفت حاصل کی۔ اور مسلسل بیس سال تک افتا وارشاد، درس وتدریس اور تعلیم وتربیت میں مشغول رہے۔ ولی اللّٰہی علوم وافکار کے پھیلاؤ کے لیے مسلسل جدوجہد اور کوشش کی۔ اپنے والدِ محترم حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پیش کردہ افکار ونظریات اور فلسفہ وفکر کو عقلی اور نقلی بنیادوں پر واضح کرنے کے لیے بہت عمدہ تصانیف لکھیں۔ آپؒ اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی زندگی میں ہی اکابر علما میں شمار ہونے لگے۔ اور ایک دینی علمی رہنما کی حیثیت سے مشہور و معروف ہوئے۔ اور جب شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نابینا ہوگئے تھے، تو ان کے قائم مقام بن کر علم وفضل اور فلسفہ وفکر کی تعلیم و

www.rahimia.org

تدریس میں مشغول رہے۔ دنیا بھر کے علما آپؒ کے فکر و فلسفے اور بلند ترین علمی استعداد اور مہارت کے معترف رہے ہیں۔ اور ہر طرف سے علوم و افکار کے طالب علم آپؒ کی خدمت میں پہنچ کر آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے ہیں۔

آپؒ کی تصانیف نے دنیا بھر میں اپنی مسلمہ حیثیت تسلیم کروائی۔ اور وہ آپؒ کی زندگی میں ہی دور دراز تک پہنچ گئیں۔ آپؒ کی اہم تصنیفات میں: ''تکمیل الأذھان''، ''اَسرارُ المَحبّہ''، ''تفسیر آیت النّور''، ''دمغ الباطل''، ''رسالۃ فی التاریخ'' اور چھوٹے بڑے بہت سے رسائل شامل ہیں۔ 116 اشعار پر مشتمل آپؒ کا ایک اہم ترین قصیدہ ہے۔ جو علومِ فلسفہ پر آپؒ کے عبور اور عربی زبان پر آپؒ کی گرفت کا شاہکار ہے۔ جس میں انھوں نے شیخ الرئیس ابوعلی سینا کے ''قصیدۂ عینیہ'' کا رد کیا ہے۔ آپؒ کا انتقال اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہی کی زندگی میں 06/شوال 1233ھ/ 09/اگست 1818ء کو دہلی میں ہوا۔ آپؒ کا مزار اپنے والدِ گرامی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے قریب احاطہ ''مہندیان'' دہلی (عقب مولانا ابوالکلام آزاد میڈیکل کالج دہلی) میں ہے۔

21۔ ''آبـــادیـــن'' کو ''پارسی'' اور ''سپاسی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے عقائد و خیالات کی تفصیل کے لیے کیخسرو اسفندیار (متوفی 1670ء) کی فارسی زبان میں کتاب ''دبستان مذاھب'' کے پہلے باب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ کتاب ایران میں رحیم رضا زادہ ملک کی تحقیق سے چھپی تھی۔ اور کچھ عرصہ قبل اس کا قدیم اردو ترجمہ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کی تعلیقات اور نظرِثانی کے ساتھ ان کی نگرانی میں 2002ء میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے طبع ہوا ہے۔

22۔ قدیم زمانے میں ''افرنگ'' کا اطلاق ایسے جرمن قبائل پر ہوتا تھا، جو پانچویں صدی میں فرانس کو اپنا وطن بنائے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے وہاں اپنی پہلی حکومتیں قائم کی تھیں۔ صلیبی جنگوں کے بعد مشرقی ممالک میں ''افرنگ'' کا لفظ، تمام یورپین ممالک کے لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ (المُنجد فی الأعلام، ص53، طبع بیروت)

23۔ اس کتاب سے مراد علامہ شیخ مصطفیٰ بن عبداللہ آفندی قسطنطنی المعروف ''کاتب چلپی'' و ''حاجی خلیفہ'' کی کتاب ''تقـویـم التاریخ'' ہے۔ مصنف خلافتِ عثمانیہ میں سرکاری دفاتر کے ''دیوان'' اور ''کاتب'' تھے۔ اور وہاں سرکاری طور پر جو تقویمات اور کلینڈرز استعمال ہوتے تھے، ان کو بنیاد بنا کر انھوں نے یہ کتاب مرتب کی۔ گویا کہ تاریخ کی اکثر کتابوں کو سامنے رکھ کر چھ سات ہزار سال کا ایک کیلنڈر انھوں نے اپنی اس کتاب میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب انھوں نے 1058ھ/ 1648ء میں لکھی تھی۔ اپنی اس کتاب کا تعارف خود مصنف نے اپنی دوسری مشہور ترین کتاب ''کشف الظّنون'' میں کرایا ہے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے! کشف الظّنون، جلد اول، ص469، اور مقدمہ کتاب)

24۔ قاضی مجیرالدین عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن عمری، عُـلَیـمـی، حنبلی ایک بڑے مؤرخ ہیں۔ آپ بیت المقدس میں 860ھ/ 1456ء میں پیدا ہوئے۔ اور قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ اور وہیں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اور بیت المقدس میں 928ھ/ 1522ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کئی جلیل القدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ جس میں: ''الأنس الجلیل بتاریخ القدس و الخلیل'' دو جلدوں میں، ''فتح الرّحمٰن فی تفسیر القرآن'' دو جلدوں میں اور ''التّاریخ المعتبر فی أبناء من عبر فی التّاریخ'' ایک جلد میں ہے۔ (دیکھیے! معجم المؤلّفین، تالیف: عمر رضا کحالہ، جلد 03، ص177، طبع بیروت)

25۔ اس سے مراد کتاب ''الأنس الجلیل بتاریخ القدس و الخلیل'' ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور انتہائی عظیم الشان ہے۔ مصنف نے اس کے مقدمے میں بتلایا ہے کہ اس میں تاریخ بیت المقدس بیان کی گئی ہے۔ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر 900ھ تک کی تاریخ مرتب کی ہے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے! مقدمہ کتاب ''الأنـس الـجـلـیـل بتـاریـخ القدس و الخلیل''، جلد اوّل، ص2-5، انٹرنیٹ

www.rahimia.org

ایڈیشن: www.marefa.org)

26۔ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی ہے۔ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''حضرت آدمؑ کی عمر 1,000 سال لکھی گئی تھی۔'' (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 6167) اور یہ روایت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ (دیکھیے! مسند احمد، مسند عبداللہ ابن عباس، حدیث نمبر 2270) اس روایت کو ابن اثیر نے اپنی کتاب "الکامل فی التاریخ" میں بھی نقل کیا ہے۔ (دیکھیے! "الکامل فی التاریخ"، جلد اول، ص 50-51، طبع بیروت، 1385ھ/ 1965ء)

27۔ ''مجموعۂ رسائل، حصہ دوم'' از حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا جو نسخہ مولانا سواتیؒ نے گوجرانوالہ سے شائع کیا تھا، اس مطبوعہ نسخے میں متن کی یہ عبارت: ''ظاہر بات یہ ہے کہ اس قول کے مطابق یہ عرصہ چالیس سال کا ہے۔ اس لیے کہ حدیث نبویؐ میں یہ بات درست طور پر بیان کی گئی ہے کہ حضرت آدمؑ کی عمر قمری حساب سے ایک ہزار سال تھی۔ اور شمسی حساب سے اس کا فرق تیس سالوں کی کمی کی صورت میں نکلتا ہے۔ چناں چہ حضرت آدمؑ کی عمر (پیدائش سے وفات تک) شمسی حساب سے 970 سال بنتی ہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام 40 سال کا بنتا ہے۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔''

حاشیے میں درج ہے۔ (دیکھیے مطبوعہ نسخہ در ''مجموعہ رسائل (حصہ دوم)'' از شاہ رفیع الدینؒ ص 141، طبع مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالا) لیکن ہمارے پیش نظر قلمی مخطوطہ جو مصنف کی زندگی میں ان کے سامنے لکھا گیا، میں یہ عبارت متن میں داخل ہے۔ ہم نے اس مخطوطے کے مطابق اس عبارت کو متن کا حصہ رہنے دیا ہے۔

28۔ ''نیسان'': یہ سریانی اور عبرانی سنوں کا ساتواں مہینہ ہے۔ اور شمسی سال کے مہینوں کا چوتھا مہینہ ہے۔ آج کل مغربی لوگوں نے جو سن عیسوی جاری کیا ہے، اس کا ''اپریل'' کا مہینہ اس کے بالمقابل ہے۔ (لاروس، ص 1232)

29۔ ابن اثیرؒ نے ''الکامل فی التاریخ'' میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سب سے بہترین دن، جمعہ کا دن ہے۔ کہ جس میں سب سے پہلی دفعہ سورج طلوع ہوا۔ اور اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور اسی دن میں انھوں نے جنت میں رہائش اختیار کی۔ اور اسی دن میں انھیں زمین پر اتارا گیا۔ اور اسی دن میں اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ اور اسی دن میں ایک ایسی گھڑی ہے، کہ جس میں مسلمان بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو وہ اُسے ضرور عطا کر دی جاتی ہے۔''

حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت قتادہؒ اور حضرت ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ: حضرت آدم علیہ السلام زمین پر ہندوستان میں ایک پہاڑ پر اترے تھے۔ جو سری لنکا کی سرزمین میں ہے۔ اور جس کا نام ''نُود'' پہاڑ ہے۔ اور حضرت حواء علیہا السلام سب سے پہلے جدہ میں اتری تھیں۔ (الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص 37، طبع بیروت)

30۔ اس لیے کہ صحیح حدیث کے مطابق حضرت آدمؑ کی کل عمر ایک ہزار قمری سال ہے۔ ان کو شمسی سالوں کے حساب سے مرتب کیا جائے تو یہ 970 سال بنتے ہیں۔ جن میں چالیس سال جنت کے قیام کے الگ کر دیے جائیں تو زمین پر حضرت آدمؑ کا قیام 930 (ہبوطی) سال ہوا۔ اور یہی آپؑ کی تاریخ وفات ہوئی۔ اور قمری حساب سے 960 سال زمین پر گزارنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے۔

31۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ: ''حضرت شیث علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے 120 سال بعد ہوئی۔ اور ہابیل کے قتل کے پانچ سال بعد ان کی پیدائش ہوئی۔ ''شیث'' کا مطلب "هبة اللّٰه" ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہابیل کے نائب اور آدم علیہ السلام کے وصی اور خلیفہ ہیں۔'' (الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص 47، طبع بیروت)

www.rahmania.org

32۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ: دُرمسیل بن محویل بن حنوخ بن قین بن آدم کی بیٹی ''برکتا'' نے یارد بن مہلائیل سے شادی کے بعد حنوخ کو جنا۔ اور حنوخ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے۔ آدمؑ کی اولاد میں یہ پہلے نبی ہیں کہ جنھیں نبوت عطا کی گئی۔ اور انھوں نے قلم سے تحریر لکھنا سیکھا اور سکھایا۔ اور یہ پہلے آدمی ہیں کہ جنھوں نے علم نجوم اور ریاضی کے علوم کا مطالعہ کیا اور اس کی بنیادیں قائم کیں۔ یونانی حکما نے ان کا نام ''حکیم ہرمس'' رکھا ہے۔ اور ان کے نزدیک وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کے وقت حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر 382 سال تھی۔'' (**الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص69، طبع بیروت**)

33۔ **القرآن: 14:29۔**

34۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ: ''طوفانِ نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کا درمیانہ عرصہ 1263 سال ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد یہ عرصہ 3337 سال ہے۔'' (**الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص82، طبع بیروت**)

35۔ **''تاریخ القدس و الخلیل''** میں ہے کہ: ''جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کی عمر 16 سال تھی۔'' (**''تاریخ القدس و الخلیل''، جلد اول، ص30**) اس کے مطابق ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالنے کی تاریخ 3339 (ہبوطی) بنتی ہے۔ لیکن حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے آگ میں ڈالنے کے اس واقعے کا ہبلاسن 3368 لکھا ہے۔ اس حساب سے آپؒ کے نزدیک اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر 45 سال تھی۔

36۔ یاد رہے کہ ایرانی تاریخ میں ''ضحاک'' نام کا ایک آشوری امیر گزرا ہے۔ جس نے ایران کے بادشاہ جمشید پر چڑھائی کر کے اسے اردگرد کے ممالک کی طرف دھکیل دیا۔ اور پھر اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اور خود حکمران بن بیٹھا۔ کچھ عرصے بعد ''کاوہ'' نام کا ایک لوہار، جو فارسی النسل تھا، اس نے ضحاک کے خلاف بغاوت کی۔ اسے گرفتار کر لیا۔ اور افریدون کو بادشاہ بنا دیا۔ ایرانی نقش و نگار بنانے والوں نے اس کا نقش بنایا ہے اور اس کے کندھے پر سانپوں کی تصویر منقش کی ہے۔ (**المنجد فی الأعلام، ص430، طبع دار المشرق، بیروت، 1982**)

37۔ **''تاریخ القدس و الخلیل''** میں ہے کہ: ''عبرانی زبان میں ''اسماعیل'' کا معنیٰ ''مطیع اللہ'' ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے 86 سال گزرنے کے بعد ہوئی۔'' (**''تاریخ القدس و الخلیل''، جلد اول، ص35**)

38۔ **''تاریخ القدس و الخلیل''** میں ہے کہ: ''حضرت یعقوب علیہ السلام 147 سال زندہ رہے۔ اور مصر میں وفات پائی۔ (**''تاریخ القدس و الخلیل''، جلد اول، ص61**)

39۔ گوجرانوالہ کے مطبوعہ نسخے میں یہ عبارت: ''میں کہتا ہوں: حضرت یعقوب علیہ السلام کی کل عمر 137 سال ہے۔ اور آپ کی وفات 3620 میں ہوئی۔'' نہیں ہے۔ ہمارے پیش نظر قلمی نسخے میں یہ عبارت متن کا حصہ ہے۔

40۔ **''تاریخ القدس و الخلیل''** میں ہے کہ: ''حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر 56 سال تھی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام 120 سال زندہ رہے۔ اور ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان 400 سال کا عرصہ ہے۔'' (**''تاریخ القدس و الخلیل''، جلد اول، ص63**) اس کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات 3684 (ہبوطی) میں ہوئی۔ جب کہ ان دونوں تاریخوں کے مطابق مصنف امامؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وِلادت 3748 (ہبوطی) لکھی ہے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان صرف 64 سال کا فرق بنتا ہے۔ جو **''تاریخ القدس و الخلیل''** کے بیان کردہ فرق سے بہت کم ہے۔

41۔ دیکھیے: ''تاریخ طبری'' (عربی)، جلد اول، ص271,268,228، طبع مکتبہ علمیہ، بیروت، لبنان۔

42۔ یہ حدیث امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

www.rahimia.org

''اپنی بات سے انکار کرنے والا سب سے پہلا آدمی، حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔'' __ آپؐ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی __ (وہ اس طرح کہ:) ''جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور آپؑ کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو آپؑ کی ساری اولاد ظاہر ہوگئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہے، جو زیادہ روشن اور چمک دار ہے۔ آدمؑ نے کہا: ''اے ربّ! یہ کون آدمی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''تیرا بیٹا داؤد ہے۔'' آدمؑ نے پوچھا کہ: ''اس کی عمر کتنی ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''60 سال۔'' آدمؑ نے عرض کیا کہ: ''اے ربّ! اس کی عمر میں اضافہ کردیجیے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''نہیں!۔ ہاں! اگر تو اپنی عمر میں سے اس کو دینا چاہے۔'' اس پر آدمؑ نے اپنی عمر کے چالیس سال انھیں دے دیے۔ اللہ نے اس پر ایک تحریر لکھی۔ اور فرشتوں کو اس بات پر گواہ بنایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کی جائے تو آدمؑ نے عرض کیا کہ: ''ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔'' اُن سے کہا گیا کہ: ''وہ تو تم نے اپنے بیٹے داؤد کو دے دیے تھے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''آدمؑ نے اپنی بات کا انکار کردیا۔'' اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ تحریر نکال کر سامنے رکھ دی۔ اور اس پر فرشتوں کی گواہی بھی دلوائی۔ (اس کے باوجود) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی عمر 100 سال پوری کردی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر 1,000 سال پوری کردی۔'' (**مسند احمد ابن حنبل، حدیث نمبر 2713، طبع بیروت**) یہ حدیث حضرت سعید بن جبیرؒ اور ایک بہت بڑی جماعت سے بھی مروی ہے۔ صحیح ابن حبانؒ میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ تفصیلات کے ساتھ مروی ہے۔ اور انھوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ (**صحیح ابن حبانؒ، حدیث نمبر 6167**) ابن اثیرؒ نے ''**الکامل**'' میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ (**الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص 50، طبع بیروت**)

43۔ ''**تاریخ القدس و الخلیل**'' میں ہے کہ: ''عبرانی زبان میں ''بخت ونصر'' کا مطلب ''عطارد'' ہے۔ مؤرخین میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا بخت ونصر مستقل ایک حکمران اور بادشاہ تھا یا ایرانی حکمرانوں کا نائب اور ان کا نمائندہ تھا۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایران کے حکمران لہراسپ کا نائب اور اس کا امیر تھا۔ (''**تاریخ القدس و الخلیل**''، **جلد اول، ص 133**)

44۔ زردشت: ان کا انتقال 583 قبل مسیح میں ہوا۔ یہ قدیم زمانے کی ایرانی قوم کے نبی اور دین میں ان کے پہلے مصلح ہیں۔ شمال مغربی ایران کے علاقے ''میڈیا'' میں پیدا ہوئے۔ اور ساتویں صدی قبل مسیح کے نصف میں ظاہر ہوئے۔ اصل میں یہ آذربائیجان کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ظاہری طور پر اپنی دعوت کا آغاز بلخ سے کیا۔ اور پھر وہاں سے ان کی دعوت پورے فارس میں پھیل گئی۔ اردشیر نے ان کے مذہب کو ساسانی حکومت کا مذہب قرار دیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا۔ (**المنجد فی الأعلام**)

45۔ ''**تاریخ القدس و الخلیل**'' میں ہے کہ: ''جب بیت المقدس کی تباہی اور بربادی پر ستر سال گزر گئے، تو بعض ایرانی حکمرانوں نے اس کی دوبارہ تعمیر کی۔ یہودیوں کے نزدیک اس حکمران کا نام ''کورش'' ہے۔ مؤرخین کا اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ''کورش'' کون ہے؟ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ (ایرانی حکمران) دارا بن بہمن ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نہیں! وہ خود بہمن ہی ہے۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ یہ حکمران انتہائی نیک صفت اور متواضع انسان تھا۔ اس کی جانب سے جو خطوط لکھے جاتے تھے، ان پر یہ لکھا ہوتا تھا کہ: ''یہ خط از دشیر بہمن کی جانب سے لکھا جاتا ہے، جو اللہ کا بندہ اور اس کا خادم ہے۔ اور تمہارے کاموں کا سیاسی نظام قائم کرنے والا ہے۔'' عبرانی زبان میں ''بہمن'' کا مطلب ''اچھے ارادے اور نیت والا'' ہے۔ (''**تاریخ القدس و الخلیل**''، **جلد اول، ص 136**) اور ابن اثیرؒ نے ''الکامل'' میں لکھا ہے کہ: ''اردشیر بہمن بن اِسفندیار بن

www.rahimia.org

بشتاسپ ۔'' (الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص 277)

46۔ افلاطون (427-337 ق.م): یونان کے فلاسفہ میں مشہور ترین آدمی ہے۔ سقراط کا شاگرد ہے۔ اور ارسطاطالیس (ارسطو) کا استاذ ہے۔ ''اثینہ'' میں بستان اکیڈمی میں درس و تدریس کرتا رہا۔ اس کے فلسفے کی بنیاد ''نظریۃ الأفکار'' پر مبنی ہے۔ اس کی کتابیں درج ذیل ہیں: ''جمہوریہ''، ''محاورات''، ''کریتون''، ''ولیمہ''، ''الشرائع'' وغیرہ۔ (المنجد فی الأعلام)

47۔ ابن اثیرؒ نے ''الکامل فی التاریخ'' میں ''رومی بادشاہوں کے ذکر'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ: ''انطنیس بیوس کے بعد مرقس حکمران ہوا۔ اور اس کا نام اوریلیس بھی تھا۔ اس کی حکمرانی کا زمانہ 09 سال رہا۔ اس کی بادشاہت کے زمانے میں ''ابن دیصان'' ظاہر ہوا۔ جس نے اپنی گفتگو اور مقالات لوگوں کے سامنے پیش کیے۔ یہ ''رہاء'' کے علاقے کا ایک اسقف تھا۔ اور یہ ثنویت کے قائلین میں سے تھا۔ یہ آدمی ''رہاء'' کے دروازے پر ایک نہر کی طرف منسوب ہے۔ جس کا نام ''دیصان'' ہے۔ یہ اس نہر کے کنارے گرا ہوا ملا تھا۔ تو لوگوں نے اس نہر پر ایک عبادت خانہ تعمیر کر دیا۔'' (الکامل فی التاریخ، جلد اول، ص 327)

48۔ مَانی (215-286): مذہب مانویہ کا بانی ہے۔ اور یہ ثنویت کا قائل ہے۔ اس کے نزدیک خیر کا خدا الگ ہے اور شر کا خدا الگ ہے۔ ایسے ہی نور کا خدا الگ ہے اور اندھیرے کا خدا الگ ہے۔ یہ بڑا اچھا نقاش تھا۔ اور اس نے فارسی تصویر سازی میں چینی تصویر سازی کے رسم و رواج کو داخل کیا۔ اس نے فرشتوں اور شیاطین کی تصاویر بھی بنائی تھیں۔ (المنجد فی الأعلام)

49۔ مَــــزْدَک: یہ ایران کا ایک ایسا رہنما ہے، جس نے مَانی کی تعلیمات کی اتباع کی تھی۔ اس کے نزدیک مال و دولت اور عورتیں سب کی مشترکہ ملکیت میں ہیں۔ ایرانی بادشاہ قباذ نے اس کا مذہب اختیار کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی حکومت ختم ہوئی اور دوبارہ کسریٰ نوشیروان نے زرتشتی مذہب اختیار کرلیا۔ (المنجد فی الأعلام)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کی جانب سے
شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب
ماہنامہ رحیمیہ لاہور
بھی شائع ہو رہا ہے۔
سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' اور ماہنامہ ''رحیمیہ'' کے خود خریدار بنیں۔
اور اپنے احباب کی ممبر شپ کے لیے تعاون کریں۔

www.rahimia.org

رسالة فى التاريخ

من تصنيفِ

حضرت الإمام شاه محمد رفيع الدين بن شاه ولى اللّٰه دهلوى قدس سرهٗ

تحقيق و تخريج: مفتى عبدالخالق آزاد

www.rahimia.org

بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم

الحمد للّٰه الّذى لاأوّل لأوّليتهٖ، ولا آخر لآخريّتهٖ، والصّلٰوة علٰى محمّد، نبيّهٖ، و صفيّهٖ من بريّتهٖ، و خليفتهٖ من خليقتهٖ، وعلٰى آلهٖ و أصحابهِ الّذين تأدّبوا بسيرتهٖ، و تمسّكوا بسَجيّتهٖ.

و بعد هذا: يقول العبد الضّعيف محمّد رفيع الدّين — ألحقهُ اللّٰه تعالٰى بسلفهِ الصّالحين، و جعل لهٗ لسان صدقٍ فى الآخرين — (١):

(للنّاس فى العالَم مذاهب)

إنّ للنّاس فى العالَم مذاهب ثلٰثة:

(١) الحُدوث المطلَق: كما هو مذهب أهل الملل والمجوس و غيرهم.

(٢) والقِدم المطلَق: أى قِدم أصول هذا العالَم من الأفلاك، و مواد العناصر، وأنواع صُوَرها على الإتّصال بلا إنقطاع. وهو مذهب الفلاسفة والأباديّين. وهُم قومٌ من أوائل الفُرس يدّعون أنّ مبدءَ نوعهم، وقُدوةَ دينهم، رجلٌ إسمهٗ "مه آباد" و أنزل عليه كتابٌ إسمهٗ "دساتير" بالفارسيّة. (٢)

(٣) والقِدم بالنّوع، والحُدوث بالشّخص: وهو مذهب الهنود.

(هٰذه الإحتمالات تجرى فى نوع الإنسان)

وهٰذه الإحتمالات بعينها تجرى فى نوع الإنسان، إذا أقمنا:

(الف) وجود هذا النوع على الإتّصال مقامَ الوجود الشخصى.

(ب) والتّجدُّد فى الأعيان مع الإنقطاع مقامَ القِدم النّوعىّ.

(آراء بداية التاريخ الإنسانى و تجزيتها)

وعلٰى تقدير الحُدوث هذا النّوع الموجود مختلف فى بدايتهٖ على أقوالٍ، لايمكن الجمع بينها. و أصحاب هذا الرّأى: المسلمون، واليهود، والنّصارىٰ، والمجوس، والتُرک، والإفرنج (٣) قبل ظهور النّصرانية فيهم.

والمنقّح عند جمعٍ من اليهود، والمسلمين ماصُوّر فى كتابَى "تقويم التّاريخ" (٤) و "تاريخ بيت المَقْدِس" (٥) للقاضى مُجير الدّين عبدالرَّحمٰن العُلَيْمِى الحنبلى العُمرى. (٦) و صنّفهٗ فى آخر سنة تسع مائةٍ. و قد وقع فى الكتابين فى بعض المواضع تفاوُتٌ قليلٌ، تارةً فى التّعرُّض والتّرک، وتارةً فى الرُّقوم، و إنّى قد جمعتُ ذالک، و أشرتُ إلى مواضعَ الإختلاف.

(مَبداءُ التّاريخ من هُبوط آدم عليه السّلام)

و جعلتُ مبداء التّاريخ علٰى مافى الكتابين هُبوط آدم عليه السّلام. والظّاهر: أنّهٗ وقت الخِلقة. واللّٰه أعلم. و لكنّها إعتبراه من وقت الهُبوط، ولم يتعرّضا لِما بين الخِلقة والهُبوط. والظّاهر أنّه أربعون سنةً علٰى هذا القول؛ إذ صحَّ فى الحديث النبّوىِّ: أنّ عمرهٗ عليه السّلام الفَ سنةٍ قمريّةٍ. (٧) و تفاوُتُها من الشّمسيّة قريبٌ من ثلاثين سنةً شمسيّةً، فهو بالشّمسيّةِ تسعُ مائةٍ و سبعون. و قد كتبناهُ هٰكذا ٩٧٠. فمُدّة المكث فى الجنّة أربعون سنةً. واللّٰه أعلم.(٨)

(الدّور الأوّل: من آدمؑ إلٰى إدريسؑ)

١۔ هُبوط آدمؑ أبى البشر وقت العصر يوم الجُمعة ثامن شهر نيسان (٩) مطابق

العاشر المحرّم فی جزیرة "سرأندیب". (١٠)

٢۔ وفات آدم علیه السّلام سنةَ تسع مائةٍ، و ثلاثین ٩٣٠.

٣۔ وفات شیث علیه السّلام ستّة إثنین وأربعین، و مائة، و ألفٍ ١١٤٢.
وفی "تقویم التّواریخ" بترک مائة. (١١)

٤۔ رفع إدریس علیه السّلام إلی السّماء سنةَ سبع و ستین، و أربع مائة، وألف ١٤٦٧. (١٢)

(الدّور الثّانی: من نوحؑ إلٰی شیعتهٖ)

٥۔ وِلادة نوح علیه السّلام سنة اثنین و أربعین، و ست مائة، وألف ١٦٤٢.

٦۔ وقعة الطّوفان سنة اثنین و أربعین، و مائتین، وألفین ٢٢٤٢.

٧۔ وفات نوح علیه السّلام سنةَ إثنین و تسعین، و خمس مائة، و ألفین ٢٥٩٢.

قُلت: و هٰذا علی أنّ المُراد بقولهٖ تعالیٰ: فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (١٣) جمیعُ عُمرهٖ علیه السّلام. والمُتبادر من السّباق والسِّیاق أنّه ما بین البعثة والطّوفان. واللّٰه أعلم.

(الدّور الثّالث: من إبراهیمؑ إلٰی محمّد صلّی اللّٰه علیه وسلّم)

٨۔ مولّد إبراهیم علیه السّلام سنة ثلٰث و عشرین، و ثلٰث مائة، و ثلٰثة آلاف ٣٣٢٣. (١٤)

(٩) إلقاء نمرود إبراهیم علیه السّلام فی النّار سنةَ ثمانٍ و ستین، و ثلاث مائة، و ثلاثة آلاف (٣٣٦٨). وفی "تاریخ القدس" سنة تسع و ثلاثین منها (٣٣٣٩). (١٥)

(١٠) هجرة إبراهیم من "بابل" إلٰی "فلسطین" فی "تقویم التّاریخ" سنة ثلاث و تسعین، و ثلاث مائة، و ثلاثة آلاف ٣٣٩٣.

(١١) وفیها (٣٣٩٣) خروج "کاوة الحدّاد" علی الضّحّاک و سلطنة أفریدون الفارسی. (١٦)

www.rahimia.org

(تاريخ بناء الكعبة المعظّمة)

(١٢) بناء الكعبة المعظّمة سنة ثلاث و عشرين، و أربع مائة، و ثلاث آلاف (٣٤٢٣).

(١٣) وفيها ولادة اسحاق عليه السّلام ٣٤٢٣.

(١٤) و كانت ولادة (إسماعيل) عليه السّلام قبل هذا بأربعة عشر عامًا. أعنى سنة تسع منها (٣٤٠٩). (١٧)

(١٥) ولادة يعقوب عليه السّلام سنة ثلاث و ثمانين، وأربع مائة، و ثلاثة آلاف ٣٤٨٣.

(١٦) وفاة إبراهيم عليه السّلام سنة ثمان و تسعين، و أربع مائة، و ثلاثة آلاف ٣٤٩٨. قلت: مدة عمر يعقوب عليه السّلام مائة، و سبعة و ثلاثون سنة.(١٨)

(١٧) و فاته (يعقوب) سنة عشرين، و ستّ (١٩) مائة، و ثلاثة آلاف (٣٦٢٠). (٢٠)

(ولادة موسٰى عليه السّلام و وفاتهٗ)

(١٨) ولادة موسٰى عليه السّلام فى مصر سنة ثمان و أربعين، و سبع مائة، و ثلاثة آلاف ٣٧٤٨. (٢١)

(١٩) وفاة موسٰى عليه السّلام سنة ثمان و ستين، و ثمان مائة، و ثلاثة آلاف٣٨٦٨.

(٢٠) ولادة داوٗد عليه السّلام سنة ثلاث و ثلاثين، و ثلاث مائة، و أربعة آلاف ٤٣٣٣.

(٢١) وفى "تقويم التواريخ" فيها غلبة أفراسياب على الفرس. وفيه إختلاف.
وفى "تاريخ الطّبرى": "أنّ غلبة افراسياب علٰى منوچهر كان فى زمن موسٰى عليه السّلام. وكان كيقباد فى عهد داوٗدعليه السّلام." (٢٢)

(٢٢) ولادة سُليمان عليه السّلام سنة إحدٰى و تسعين، و ثلاث مائة، وأربعة آلاف ٤٣٩١.

(٢٣) وفاة داوٗد و خلافة سُليمان عليهما السّلام سنة ثلاث و ثلاثين، وأربع مائة، و

أربعة آلاف ٤٤٣٣.

(إبتداء بناء بيت المَقْدِس)

(٢٤) إبتداء بناء بيت المَقْدس سنة سبع و ثلاثين، و أربع مائة، و أربعة آلاف ٤٤٣٧.

(٢٥) وفاة سُليمان عليه السّلام سنة (ثلاث) و سبعين، و أربع مائة، و أربعة آلاف ٤٤٧٣.

قلت: هٰذا الّذى ذكرتُ من وفاة داوُد و سُليمان عليهما السّلام خلاف ما فى الكتابين، ففيهما: أنّ وفاة داوُد عليه السّلام سنة ثلاث، و أربع مائة، بعد أربعة آلاف (٤٤٠٣). ووفاة سُليمان عليه السّلام سنة ثلاث و أربعين منها (٤٤٤٣). والّذى أوجب ذالك ما صحّ فى حديث الميثاق: "فأكمل اللّٰه لداوُد مائة سنة و لآدمٍ ألف سنة." (٢٣) و من الثّابت أنّ سُليمان عليه السّلام ولى الخلافة بعد أبيه أربعين سنة (قمرية) واللّٰه أعلم.

(٢٦) ظهور طبقة الكيانيّين، وأوّلهم كيقباد سنة ثنتين و عشرين، بعد أربعة آلاف و ستّ مائة ٤٦٢٢. كما فى "تقويم التّاريخ".

(٢٧) إبتداء ملك بخت نصر سنة إحدٰى و أربعين، وثمان مائة، وأربعة آلاف ٤٨٤١.

(٢٨) و فى "تاريخ بيت المقدس": أن بخت نصر كان أميرُ اللّهُراسپ الفارسى الّذى فوّض عليه السّلطنة كيخسرو. (٢٤) وإبتداء مُلكِهٖ سنة سبع و أربعين منها (٤٨٤٧).

(تخريب بيت المَقدِس أوّلاً)

(٢٩) تخريب "بيت المقدس" علٰى يدهٖ سنة سبع و ستّين، و ثمان مائة، و أربعة آلاف ٤٨٦٧. وفى "تقويم التاريخ" بزيادة سنة واحدة (٤٨٦٨).

(٣٠) وفيه (تقويم التاريخ) إبتدا ملك كشتاسپ بن لهراسپ سنة سبع، و تسع مائة، و أربعة آلاف ٤٩٠٧.

www.rahimia.org

و كشتاسپ عند اليهود يسمّٰى "كوُرَش".

(تعمير بيت المَقدِس ثانيًا)

(٣١) تعمير "بيت المقدس" علٰى يد كورش سنة سبع و ثلاثين، و تسع مائة، و أربعة آلاف ٤٩٣٧.

(٣٢) و فيها (٤٩٣٧) كان ظهور "زرداشت" (٢٥) و متابعة كشتاسپ لهٗ كما في "تقويم التّاريخ". و عند صاحب "تاريخ القدس" الأصحّ أنّ كورش: هو بهمن بن اسفنديار حافد كشتاسپ. (٢٦)

(٣٣) ولادة أسكندر اليوناني سنة ستّين، و مائتين، و خمسة آلاف ٥٢٦٠.

(٣٤) وفيها (٥٢٦٠) وفاة أفلاطون الحكيم الإلٰهي. (٢٧)

(٣٥) غلبة أسكندر على الفرس سنة ثنتين و ثمانين، و مائتين، و خمسة آلاف (٥٢٨٢).

(٣٦) وفاة أسكندر سنة تسع و ثمانين منها ٥٢٨٩.

(وِلادة سيّدنا يحيٰ و سيّدنا عيسٰى و رفعهٗ عليهما السّلام)

(٣٧) و في "تقويم التّاريخ" ولادة سيّدنا يحيٰى بن زكريّا و سيّدنا عيسٰى ابن مريم عليهم السّلام سنة أربع و ثمانين، و خمس مائة، و خمسة آلاف ٥٥٨٤.

(٣٨) و رفع عيسٰى عليه السّلام إلى السماء سنة سبع عشرة، و ستّ مائة، و خمسة آلاف ٥٦١٧. وفي "تاريخ القدس" كلٌّ من الولادة والوفاة بعد هٰذا بسنتين (٥٦١٩).

(خراب بيت المَقدِس مرةً ثانيةً)

(٣٩) خراب "بيت المقدس" مرّةً ثانيةً علٰى يدى طيطوس الرّومي، في "التقويم" سنة سبع و خمسين، وستّ مائة، و خمسة آلاف ٥٦٥٧. وفي "تاريخ بيت المقدس" بعده بسنتين (٥٦٥٩).

(٤٠) ظهور ملّة ديصان (٢٨) من "تقويم التّاريخ" سنة ستّ عشر، و سبع مائة، و خسمة آلاف ٥٧١٦.

(٤١) ومن "التّقويم" ظهور المانى النقّاش المتنبّى (٢٩) سنة إحدٰى و عشرين، و ثمان مائة، و خسمة آلاف ٥٨٢١.

(٤٢) إنتباه أصحاب الكهف من نومهم سنة ستّ و ثلاثين، و ستّة آلاف ٦٠٣٦.

(٤٣) ظهور مَزدَک المجوسى (٣٠) سنة ثمان عشرة، و مائة، و ستّة آلاف ٦١١٨.

(تاريخ ولادة محمّد مصطفٰى صلّى اللّٰه عليه و سلّم)

(٤٤) ثم اتفقا أنّ ولادة النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم سنة ثلاث و ستين، و مائة، و ستّة آلاف ٦١٦٣. واللّٰه أعلم.

(فائدة جليلة)

(٤٥) ولٰكن لايخفٰى أنّ هٰذه السّنين سنون الشّمسيّة. و السّنون مأخوذة من مولد النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إلٰى حيث أخذ قمرية، وجمعهما فى الحساب لايخلو عن مسامحة، بل المناسب إمّا إرجاع ما بعد المولد إلى الشّمسيّة، أو إرجاع ما قبلها إلى القمريّة.

(من هبوطِ آدمؑ إلٰى ١٢٠٠ هجرى بحساب سنة قمرية)

(٤٦) فاعلم أنّ من هُبوط آدم عليه السّلام إلى المولد الشّريف إذا أخذت قمريّة صارت ستّة آلاف، و ثلاث مائة، وإحدٰى و خمسون سنةً قمريةً ٦٣٥١. ومائتان، و تسعة و عشرون يومًا (٢٢٩) وهو قريبٌ من سبعة أشهر. و من مولد الشّريف إلٰى آخر سنة ١٢٠٠ من الهجرة المقدّسة ثلاث و خمسون، و ألف و مائتان (١٢٥٣). فمن هُبوط آدم عليه السّلام إلٰى آخر تلك السّنة سبعة آلاف، و ستّ مائة، و أربع سنين قمريّة، و بضع أشهر (٧٦٠٤).

(من هبوطِ آدمؑ إلىٰ ۱۲۰۰ هجری بحساب سنة شمسية)

(٤٧) و أيضًا فمن المولد الشّريف إلىٰ آخر السّنة المذكورة ألف، و مائتان، و ثمانية عشر سنةً شمسيّة (۱۲۱۸) و ستّون يومًا بالتّقريب وهو قريبٌ من شهرين. فمن هُبوط آدم عليه السّلام إلىٰ آخر السّنة المذكورة سبعة آلاف، و ثلاث مائة، و إحدىٰ و سبعون سنة شمسيّة (۷۳۷۱).

(٤٨) فاحفظ! فإنّ جمهور أهل التّاريخ و منهم صاحبا ''تاريخ القدس و الخليل'' و ''تقويم التّواريخ'' قد خلطا الأمر و غفلا عن التّميز. فاللّٰه الهادی.

==================

حواشی و تعليقات

١. الشيخ العالم الكبير، العلامة، رفيع الدين عبدالوهّاب، بن ولی اللّٰه، بن عبدالرحيم العمری، الدهلوی، المحدث، المتكلم، الأصولی، الحجة، الرحلة، فريد عصره، و نادرة دهره، ولد بمدينة دهلی، و نشأ بها، و اشتغل بالعلم علی صنوهٖ، عبدالعزيز و قرأ عليه، و لازمه مدةً، و أخذ الطريقة عن الشيخ محمدعاشق بن عبيداللّٰه البهلتی، و برع فی العلم، و أفتیٰ، و درّس، و لهٗ نحو العشرين، و صنّف التصانيف، و صار من أكابر العلماء فی حياة أخيه المذكور، و قام مقامهٗ فی التدريس بعد ما أصيبت عيناهُ، فازدحم عليه الناس، و تلقّٰی كل أحد من تلك اللّطائف علی قدر الإستعداد، و اعترف بفضلهٖ علماء الآفاق، و سارت بمصنّفاته الرفاق. و لهٗ مصنفات: ''تكميل لصناعة الأذهان''، ''أسرار المحبّة''، ''تفسير آية النّور''، ''دمغ الباطل''، ''رسالة فی العروض''، ''رسالة فی مقدمة العلم''، ''رسالة فی التاريخ''. و لهٗ قصيدة بليغة تدل علیٰ علوّ كعبه فی العلوم الفلسفية و إقتداره علی العربية، عارض بها قصيدة الشيخ الرئيس أبی علی ابن سينا، ''العينية'' التی تعرف بقصيدة الروح.
توفی رحمه اللّٰه فی حياة صنوه الكبير عبدالعزيز لستّ ليال خلون من شوّال سنة ثلاث و ثلاثين و مائتين و ألف (۱۲۳۳ھ) بمدينة دهلی، فدفن بها خارج البلدة عند أبيه و جدّهٖ. (نزهة الخواطر، جلد۷، ص ٢٠٤- ٢٥٠، طبع مكتبة دارِ عرفات، رائے بريلی، الهند ۱٤۱۳ھ)

٢. و يقال لهم: ''پارسيان'' و ''سپاسيان''. انظر لتفصيل عقائدهم و خيالاتهم كتاب ''دبستانِ مذاهب'' تاليف: كيخسرو إسفنديار، المتوفّٰی ١٦٧٠ ميلادی، بالفارسية. طبع من إيران بتحقيق رحيم رضا زاده

مـلِک و طبـع تـرجـمـتـهٔ بالأُردية تحت إشراف دكتور رشيد احمد الجالندهري، مدير إدارة ثقافت إسلامية بلاهور ۲۰۰۲ ميلادي.

۳. الإفرنُج (Francs): قبائل جرمانية إستوطنت فرنسا في القرن ٥. و أسّست فيها الممالک الأولٰى. أطلق في الشرق إسم ''الإفرنُج'' على الأُوروبيّين إجمالاً بعد الحروب الصليبيّة.
(المنجد في الأعلام، ص٥٣، طبع بيروت)

٤- الـمـراد منه كتاب: ''تقويم التواريخ في الحوادث''، تاليف علّامه شيخ مصطفٰى آفندي، (١٠١٧- ١٠٦٧) الشهيـر بِ''الـكـاتـب الـچلپي'' ابن عبدالله آفندي القسطنطني العارف الإشراقي المسلک يُعرف بِ''الـكاتب الچلپي'' تارةً و بِ''الحاج خليفة'' أُخرٰى. ألّفهٔ علٰى نمط التقاويم المعمولة بالتركية، و رتّبـهٔ عـلٰى جداول وهو كتابٌ نفيس جدًّا في بابهٖ، و كأنّهٔ فهرس للباب أكثر كتب التاريخ. فرغ منهٔ سنة ١٠٥٨هـ (١٦٤٨ميـلادي) و لإبـنـهٖ فخر الدين الچلپي ذيل لهٔ. قال المؤلّف العلاّم في تعارفِ كتابهٖ: ''وهـو مشتـمـل علٰى نتيجة كتب التواريخ، سوّدتهٔ في شهرين من شهور سنة ثمان و خمسين و ألف، ذكـرتُ فيـه التـواريخ المستعملة، ثمّ الوقائع مجدولاً، و جعلتهٔ نسختين: نسخة في ثلاثة كراريس، كـل صـحيـفة مـنهـا خمسون سنة. و نسخة في نحو عشرة كراريس، كلّ صحيفة منها عشر سنين. فصار كالفهرس لكُتب التواريخ، و لفذلكتي خاصةً.
(كشف الظّنون، المجلّد الأوّل، المقدمة: ص:ز، و في المتن: ص٤٦٩، طبع: بغداد)

٥. المراد منه: كتاب ''الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل''، تأليف: قاضي القضاة أبواليمن القاضي مـجيـر الـديـن الحنبلي. كتابٌ جليل الشان، و إبتدائهٔ: ''الحمد للّٰه المتفضِّل علٰى خلقهٖ بفتح أبواب الـرحـمة بـالـمُـحـسـن إلٰى أهل الملة الحنيفية بترادف الخير و النعمة ... أمّا بعد! فهٰذا مختصرٌ ... يتـضـمّـن تـاريـخ بيـت المقدّس، الذي هو على التقوى مؤسَّس، و قصّة سيد الجليل، سيّدنا إبراهيم خـليل و أبنائِهِ السّادة الكِرام ... من لدن سيّدنا آدم عليه السلام إلٰى عصرنا هٰذا، و هو آخر عامٍ تسع مـائة مـن هـجـرة الـنبيّ المصطفٰى خير الأنام .... و سمّيتهٔ بِ''الأنس الجليل بتاريخ القدس و الـخـليـل''، و إذا مَـنّ الـلّٰـه بـإكـمالهٖ كان تاريخًا للقُدس، و الخليل خاصّةً و لغيرهما عامّةً ... الخ''
(المجلّد الأول، ص من ٢ إلٰى ٥، انترنيت ايديشن: www.marefa.org)

٦- عبـدالرحمٰن العُلَيمي (٨٦٠ - ٩٢٨هـ/ ١٤٥٦ - ١٥٢٢ ميـلادي): عبـدالـرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن الـعُـمري، العُلَيْمي، المقدسي، الحنبلي (مجيرالدين) مؤرخ، ولِد بالقدس، و درس بالقهرة، و توفي بـالـقـدس،. مـن آثـارهٖ: الـمـنهـج الأحمد في تراجم أصحاب الإمام احمد، إتحاف الزائد و أطواف الـمـقيـم و الـمسـافـر، الأنـس الجليل بتاريخ القدس و الخليل في مجلدين، فتح الرحمٰن في تفسير الـقـرآن، فـي مـجـلدين، و التاريخ المعتبر في ابناء من عبر في التاريخ (معجم المؤلفين، تأليف عمر رضا كحاله، ج ٣ ، ص١٧٧، طبع بيروت)

٧. أخـرجهٔ ابـن حبان في صحيحهٖ: ''عن أبي هريرةؓ: عن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنه قال: ''.... و إذا

www.rahimia.org

آدم قد کُتب لهٗ عمر ألف سنة ...'' (صحيح ابن حبان، حديث برقم (٦١٦٧) و أخرجه الإمام أحمد بن حنبل فی مسنده: ''عن ابن عباسؓ قال: لمّا نزلت آية الدّين، قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم: ''... و كان عمر آدم ألف سنة...''. (مسند عبدالله بن عبّاس، حديث رقم (٢٢٧٠) و رُوی مثل هٰذا عن جماعة: منهم سعيد ابن جبير.'' أخرجهٗ ابن أثير فی كتابهٖ ''الكامل فی التاريخ''، المجلّد الأوّل، ص٥٠، ٥١، طبع بيروت ١٣٨٥هـ ___ ١٩٦٥ ميلادی)

٨. فی النسخة المطبوعة: عبارة المتن من ''و الظاهر أنهٗ أربعون سنةً ... إلٰی ... و اللّٰه أعلم.'' مندرجة علی الحاشية، و فی النسخة الخطّيّة هٰذه العبارة فی أصل المتن، فوضعناها فی المتن.

٩. نيسان: الشهر السابع من شهور السنة السُّريانِيَّة، و السنة العبريّة. و الرّابع من شهور السنة الشّمسيّة، و يقابل ''إبريل'' من شهور السّنة الغربيّة. (لاروس ص١٣٣٢)

١٠. و فی ''الكامل فی التاريخ'' لإبن الأثير: ''روی أبوهريرةؓ عن النّبیِّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم قال: خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، و فيه أسكن الجنة، و فيه أهبط منها، و فيه تاب اللّٰه عليه. و فيه تقوم الساعة، و فيه ساعة يقللها لايوافقها عبد مسلم يسئل اللّٰه فيها خيرًا إلا أعطاه إياه.'' .... قيل: ثم إن اللّٰه تعالٰی أهبط آدم قبل غروب الشّمس من اليوم الّذی خلقهٗ فيه، وهويوم الجمعة مع زوجته حوّاء من السماء. فقال علیّ و إبن عبّاس و قتادة و أبوالعالية: ''أنه أهبط بالهند علٰی جبل يقال لهٗ: ''نود'' من أرض سرأنديب، و حوّاء بجدّة. قال ابن عبّاس: ''فجاء فی طلبها فكان كلّما وضع قدمهٗ بموضع سار قريةً، و ما بين خطوتيه مفاوز، فسار حتّٰی أتٰی جمعًا فازدلفت إليه حوّٰی فلذالک سمّيت: ''المُزْدَلِفَة'' و تعارفا بعرفات'' فلذالک سمّيت ''عرفات''، و اجتمعا بجمع فلذالک سمّيت ''جمعًا''. (المجلّد الأول، ص٣٥ إلٰی ٣٧، طبع بيروت ١٣٨٥هـ ___ ١٩٦٥ ميلادی)

١١. و فی ''الكامل فی التاريخ'' لإبن الأثير: ''كانت وِلادتهٗ (شيثؑ) بعد مضیّ مائة و عشرين سنة لآدمؑ، و بعد قتل هابيل بخمسة سنين، و قيل: وُلد فردًا بغير توأم. و تفسير شيثؑ: ''هبة اللّٰه'': و معناهٗ أنّهٗ خلف من هابيل، و هو وصیّ آدمؑ.''

(الكامل فی التاريخ، المجلّد الأول، ص٤٧، طبع بيروت ١٣٨٥هـ ___ ١٩٦٥ ميلادی)

١٢. و فی ''الكامل فی التاريخ'' لإبن الأثير: ''بركتا'' ابنة الدرمسيل بن محويل بن حنوخ بن قين بن آدم، فولدتْ لهٗ (يارد بن مهلائل) حنوخ، وهو إدريس النبیّ، فكان أوّل بنی آدم أعطی النّبوّة و خطّ بالقلم، و أوّل من نظر بعلوم النّجوم و الحساب. و حكماء اليونانيّين يسمّونهٗ ''هِرمِس الحكيم'' و هو عظيم عندهم ... و توفّی آدمؑ بعد أن مضٰی من عمر إدريسؑ ثلاث مائة و ثمان و سنين.''

(الكامل فی التاريخ، المجلّد الأول، ص٥٩، طبع بيروت ١٣٨٥هـ ___ ١٩٦٥ ميلادی)

١٣. القرآن: ١٤:٢٩.

١٤. و فی ''الكامل فی التاريخ'' لإبن الأثير: ''و كان بين الطوفان، و مؤلّد إبراهيم ألف سنة و مائتا سنة و ثلاث و ستّون سنة، و ذالک بعد خلق آدمؑ بثلاثة آلاف سنة و ثلاث مائة و سبع و ثلاثين سنة

(٣٣٣٧)". (الكامل فى التاريخ، المجلّد الأول، ص٨٢، طبع بيروت ١٣٨٥هـ ___ ١٩٦٥ ميلادى)

١٥. و فى "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": "لمّا أُلقى (إبراهيمؑ)فى النّار كان إبن ستّة عشر سنةً". (المجلد الأول، ص ٣٠) فبحسابهٖ تاريخ إلقاءِ إبراهيم فى النار ٣٣٣٩، و المؤلف العلّام يذكر أوّلاً. سنة ٣٣٦٨ فبحسابهٖ عمرهٗ وقت الإلقاء خمس و أربعين سنة.

١٦. الضحّاك (آزيد هاك) (Zohak): أمير أسطوريٌّ آشوريٌّ، هاجم علىٰ جمشيد ملك الفُرس، و طارده إلى سجستان، و الهند، و الصين. و أسرهٗ، و عذّبهٗ، و قتلهٗ. ثم ثار عليه الحدّاد الفارسيّ "كاوة" و حبسهٗ فى جبل دماوند. و أجلس فريدون مكانهٗ. يمثلهٗ فنّانو الفرس، و علىٰ كتفه الأفاعى. (الأساطير الفارسية) (المنجد فى الأعلام، ص٤٣٠، طبع دار المشرق، بيروت ١٩٨٢ء)

١٧. فى "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": "معنىٰ إسماعيل بالعبرانية "مطيع اللّٰه". و كانت وِلادتهٗ لمضى ستّ و ثمانين من عمر إبراهيم عليه السلام". ص(المجلد الأول، ص٣٥)

١٨. و فى "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": "عاش يعقوب مائة و سبعًا و أربعين سنةً و مات بمصر". (المجلد الأول، ص٦١)

١٩. فى النسخة الخطّيّة: "خمس مائة و ثلاثة آلاف". لكن الصحيح ستّ مائة و ثلاثة آلاف.

٢٠. و العبارة التى ما نصّها: "قلت: مدة عمر يعقوب ... إلىٰ ثلاثة آلاف". لاتكون فى النسخة المطبوعة.

٢١. فى "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": كان عمر يوسفؑ لمّا توفى والدهٗ يعقوب ستّ و خمسين سنة، و عاش يوسفؑ مائة و عشرين سنة، و بينهٗ و بين سيّدنا موسىٰ أربع مائة سنةً." (المجلد الأول، ص٦٣)

٢٢. راجع "تاريخ الطبرى" لإبى جعفر محمّد بن جرير الطّبرى، جلد أوّل، ص٢٢٨، ٢٦٨، ٢٧١، طبع دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان.

٢٣. أخرجهٗ الإمام احمد ابن حنبلؒ فى مسندهٖ، و قال: حدثنا أسود بن عامر، قال: حدثنا حماد بن سلمة، عن على بن زيد، عن يوسف بن مهران، عن ابن عبّاس، أنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلّم: "أوّل من جحد آدم عليه السلام، ___ قالها ثلاث مراتٍ ___ إنّ اللّٰه لمّا خلقهٗ، مسح ظهرهٗ، فأخرج ذريتهٗ فعرضهم عليه، فرأىٰ فيهم رجلاً يزهر، قال: أى ربّ، من هٰذا؟ قال: إبنك داؤد. قال: كم عمرهٗ؟ قال: ستّون. قال: ربِّ زِد فى عمرهٖ، قال: لا، إلاّ أن تزيدهٗ أنت من عمرك. فزاد أربعين سنةً من عمرهٖ، فكتب اللّٰه عليه كتابًا، و أشهد عليه الملائكة، فلمّا أراد أن يقبض روحهٗ، قال: بقى من أجلى أربعون. فقيل لهٗ: إنك جعلتهٗ لإبنك داؤد. قال: فجحد. قال: فأخرج اللّٰه عزّ و جلّ الكتاب، و أقام عليه البيّنة. فأتمّها لداؤد مائة سنة، و أتمّها لآدم عمرهٗ ألف سنة." (مسند إمام احمد بن حنبل، حديث نمبر ٢٧١٣، طبع بيروت، لُبنان ١٤٢٩ھ/ ٢٠٠٨ ميلادى) و رُوى مثل هٰذا عن جماعة، منهم: سعيد ابن جبير. و أخرجهٗ الطيالسى (٢٦٩٢) و ابن سعد (٢٨/١-٢٩) و ابن أبى شيبة (١٣/ ٦٠ و ١٤/ ١٨٨) و الطبرانى (١٢٩٢٨) و البيهقى (١٤٦/١٠) و لهٗ شاهد بإسنادٍ قوىٍ من حديث أبى هريرة صححه ابن حبّان برقم (٦١٦٧) و ابن أثير فى الكامل فى التاريخ، المجلّد الأوّل، ص ٥٠،٥١، طبع

www.rahmia.org

بیروت ١٣٨٥هـ ــ ١٩٦٥میلادی)

٢٤. و فی "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": "و تفسير بخت نصر بالعبرانية: "عطارد" ... و اختلف المؤرخون فيه هل كان ملكًا مستقلًا بنفسهٖ أم كان نائبًا للفُرس، و الأصح عند الأكثر أنهٗ كان نائبًا لملك إسمهٗ "لهراسف". (المجلد الأول، ص١٣٣)

٢٥. زرداشت (المتوفّٰی حوالی ٥٨٣ ق.م): نبی الفُرس الأقدمين و مصلح ديانتهم الأولٰی. ولد فی ميديا (شمال غربی إيران). ظهر حوالی منتصف القرن السابع قبل الميلاد. أصلهٗ من آذربائيجان. نشر دعوتهٗ بادئ الأمر فی بلخ، فانتشرت منها إلٰی فارس، و أصبحت ديانة السلالة الأخمينية التی قضا عليها الإسكندر ٣٣١ ق.م. جعلها أردشير مذهب دولة الساسانية حتی الفتح الإسلامی. (المنجد فی الأعلام)

٢٦. فی "الأنس الجليل بتاريخ القُدس و الخليل": "لمّا جرٰی ما ذُكر من تخريب بيت المقدس و لبثه علی التخريب سبعين سنةً، عمّرهٗ بعد ذالك بعض مُلوك الفُرس، و إسمهٗ عند اليهود "كورش" و قد اختُلف فيه، فقيل: هو دار بن بهمن. و قيل: بل هو بهمن المذكور و هو الأصح. و كان كريمًا متواضعًا، علامتهٗ علٰی كتبه "من أزدشير بهمن عبدالله و خادم الله و السائس لأموركم". و تفسير بهمن بالعبرانية: حسن النية." (المجلد الأول، ص١٣٦) و فی الكامل لإبن الأثير: "و أردشير بهمن بن اسفند يار بن بشتاسب". (المجلد الأول، ص٢٧٧)

٢٧. أفلاطون (Flahtom) (٤٢٧/٣٤٧ ق.م): من مشاهير فلاسفة اليونان، تلميذ سُقراط، و معلّمُ أرسطاليس. درّس فی بُستان أكاذيمس فی أثينا. أساسُ فلسفتهٖ: "نظرية الأفكار" ... و من مؤلّفاتهٖ: "الجمهورية"، "السياسی"، "المحاورات"، "كريتون"، "فيدون"، "تيمة"، "الوليمة"، "الشرائع". و قد وصلت نصوصها فی الغالب إلی العربی ملخّصةً أو مجزّأةً ماعد الشرائع. (المنجد فی الأعلام)

٢٨. قال إبن الأثير فی كتابهٖ "الكامل فی التاريخ" تحت عنوان "ذكر ملوك الرّوم، و هم ثلاث طبقاتٍ، فالطبقة الأولٰی "الصّائبون"": "ثمّ ملك بعدهٗ (أی إنطنينس بيوس) مرقس، و يسمّٰی أورليوس، تسعة عشر سنة، و فی ملكهٖ أظهر إبن ديصان مقالتهٗ، و كان أُسقفًا بِ"الرُّهاء" وهو من القائلين بالإثنين، و نُسب إلٰی نهر علٰی باب الرُّهاء يسمّٰی "ديصان". وجد عليه منبوذًا، و بنی علی هذا النهر كنيسةً." (المجلد الأول، ص٣٢٧)

٢٩. "مَانی" (٢١٥ - ٢٨٦): مؤسّس مذهب المانويّة القائل بمبدأين: مبدأ الخير، و مبدأ الشر، النور و الظّلام. و إليه مرجع اليزيدية. أدخل مَانی فی التصوير الفارسی نسق التصوير الصينی، و رسم الملائكة و الشياطين. (المنجد فی الأعلام)

٣٠. مَزْدَكُ: داعٍ إيرانیّ اتبع فی تعليمه "مانی" و أيّد النزعة الغنوسية. أراد إشتراكية الأموال و النساء. أيّد مذهبهٗ الملك قباذًا (٤٨٨) حتی خلع فأعاد كسرٰی أنوشروان الزرادشتية. (المنجد فی الأعلام)

www.ranirnia.org

آرا و تأثرات

گرامی نامہ

To

Chief editor, Mujallah Shaoor-o-Agahi Lahore

Subject: Comments on Mujallah Shaoor-o-Agahi

Respected Editor

I am very glad to state that Mujallah Shaoor-o-Agahi is very informative, conceptual and quality document. It transpires the great thoughts of Hazrat shah Wali-ul-Alla (RH) which caters the dire need of the time. In the prevailing circumstances, Samraj projects Islam as a religion of terrorism, sectarianism and fundamentalism, whereas through this Mujallah, I come to know that Islam is not a mere religion but a program of peace and prosperity for the whole mankind. It makes human being stay together and committed to inclusive development and progress in every field of life irrespective of race, colour, creed and religion.

So, Islam creates a collective approach through its commandments like five pillars of Islam and other socio-political and economic directives. That is why, in the reign of Islam human being as a whole made progress and achieved glory and heights of success.

After going through this Mujallah I come to know that an Islamic society had a strong command and control system through Sufia-e-Kiram and respected jurists, who although had no executive power but always held the entire system and society on its basic principles justice, truth and humanity. Their basic role kept the society intact and committed to excellence.

In this era of conceptual bankruptcy, this Mujallah is a ray of hope to highlight the progressive approach of Islam which is lacking in our society so, I invite the auspicious youngsters to study it consistently and get rid of short sighted and narrow approach for the bright and greater interest of nation.

Your sincerely,

Zahid Javed Asad، Advocate High court,

60- Fatima Jinnah chambers, session courts, Gujranwala

www.rahimia.org

تاریخ کے حوالے سے خانوادۂ ولی اللّٰہی کا کردار

خانوادۂ ولی اللّٰہی کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے انسانی سماج کی تشکیل کے اہم علوم کی طرف پوری توجہ دی ہے۔ اس تناظر میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے اہم ترین حضرات نے انسانی تاریخ کے حوالے سے بھی اپنی تحریرات قلم بند کی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''تاویل الاحادیث'' کے عنوان سے انبیا علیہم السلام کے قصص اور واقعات کو ایک خاص تاریخی ترتیب اور ارتفاقات کے تاریخی ارتقا کے تناظر میں مرتب اور مدوّن کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ قرآنی قصص کے اہم ترین پہلوؤں کو مربوط انداز میں سمجھنے کی بھرپور کاوش ہے، لیکن اس میں قائم کردہ تاریخی ترتیب نے اس کو تاریخی حوالے سے بھی اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ اسی طرح حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''البدور البازغہ'' کے تیسرے مقالے میں انسانی تاریخ میں قائم ہونے والی ملتوں کے قیام کی حقیقت و ماہیت، ان کے ارتقا اور انقلابی پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ خاص طور پر ملتِ حنیفیہ کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے تمام انبیا علیہم السلام کے مجموعی عرصے کے تین ادوار قائم کیے ہیں۔ اور ان کے بیان کردہ اقترابی پہلوؤں کی وضاحت اور سماجی زندگی سے متعلق ارتفاقات کی ارتقائی حالت بیان کی ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے حضرت الامام شاہ رفیع الدین عبدالوہاب دہلویؒ نے اپنے والد کے علوم کی درست تفہیم کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ دیگر علوم کے علاوہ تاریخ عالم انسانیت پر ایک مختصر رسالہ ''رسالة فی التاریخ'' قلم بند فرمایا ہے۔

(عالم انسانیت کی مختصر تاریخ؛ ایک تعارف، ص85-84)

www.rahimia.org

QUARTERLY
Shauor o Aaghi
Lahore

JAN-MAR 2011 Issue # 1 Vol. # 3 Regd.# 370-S

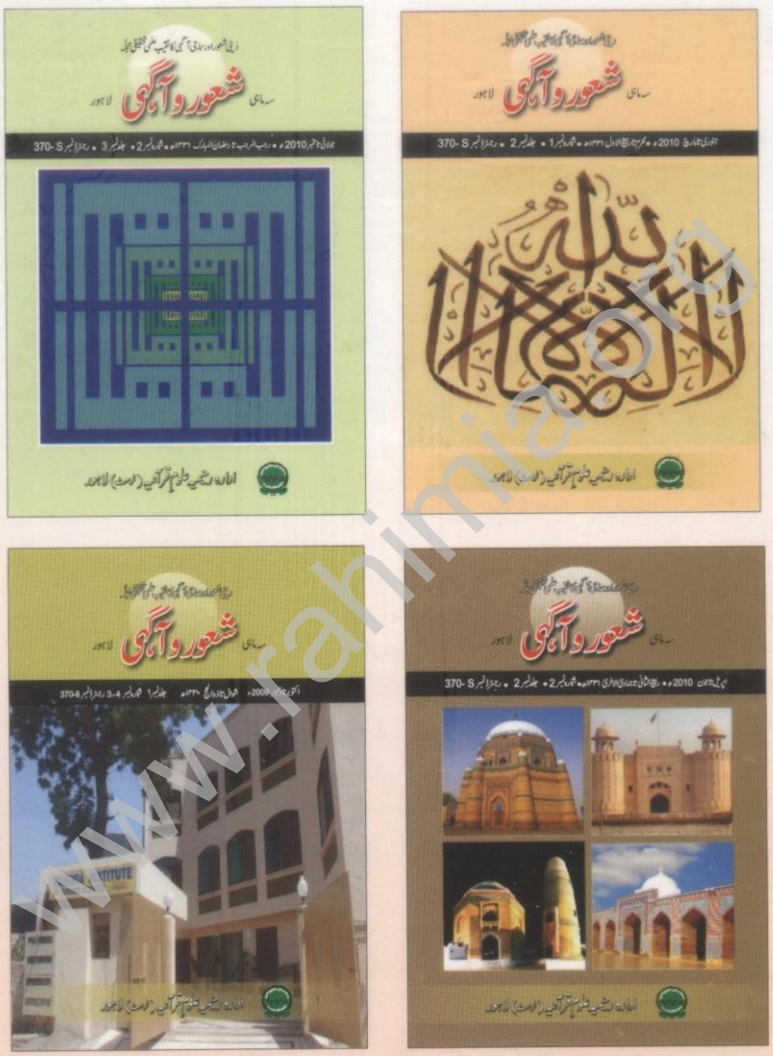

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ، شاہراہِ فاطمہ جناح، لاہور